قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

اُردو ترجمہ

رسالۃ التوحید

مصنّفہ

مفتیِ مصر علّامہ محمد عبدُہ رحمہ ربہ بانواع نعمائہ

کی

بعض نہایت اہم اور پاکیزہ فصلوں کا

جو

حسب ایمائے نواب محسن الملک بہادر مرحوم اوّل علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں سلسلہ وار
شائع ہوا اور بعد ازاں کالجیٹ اسکول کی جماعتِ ہشتم کے نصابِ دینیات میں داخل
ہوکر اب تیسری مرتبہ بسعی کارپردازانِ بک ڈپو مدرسۃ العلوم

باہتمام محمد مقتدیٰ خاں شروانی

انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ میں طبع ہوا ۱۳۳۶ھ ۱۹۱۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دعوتِ اسلام

بعثت محمدی سے قبل

چونکہ اُس وقت دنیا کی تمام قوموں کو بالعموم اصلاح اور ریفارم کی ضرورت تھی اس لئے حضرت خاتم النبیین صلعم کی رسالت کو بھی خدا نے کسی قوم یا کسی ملک کے لئے مخصوص نہیں کیا۔ بلکہ اُن کی رسالت کو تمام قوموں اور تمام ملکوں اور تمام موجودہ اور آیندہ نسلوں کے لئے عام کر دیا۔ لیکن اس بات کو دیکھکر تاریخ انسان پر غور کرنے والوں کی عقلوں کو نہایت حیرانی اور پریشانی پیش آتی ہے کہ مذہب اسلام تیس برس سے کم عرصہ میں عرب کی تمام قوموں میں پھیل گیا اور ایک صدی سے کم میں محیط مغربی سے لیکر دیوار چین تک تمام ملکوں اور قوموں میں شایع ہو گیا۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو مذاہب کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر مؤرخوں نے اس کا سبب بیان کرنے میں غلطی کی ہے۔

اس مذہب نے جب اپنی دعوت شروع کی تو اور مذاہب کی طرح اس کو بھی طرح طرح کی صعوبتیں اور مشکلات پیش آئیں اس کی دعوت کرنے والے کو بے شمار ایذائیں اور تکلیفیں پہنچائی گئیں اور ایسی دشواریاں پیش آئیں کہ اگر خدا کی عنایت شامل حال نہوتی تو اُن کا حل ہونا نہایت مشکل تھا۔ جن لوگوں نے اس مذہب کی دعوت کو قبول کر لیا تھا اُن کو بھی طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں، وہ رزق سے محروم کئے گئے، وطن سے نکالے گئے، بہت سے لوگوں کے خون بہائے گئے۔ مگر یہ خون اولوالعزمیوں کے سرچشمے تھے جو صبر کی چٹانوں سے نکلے تھے اور جن کو دیکھکر اہل یقین کے دلوں میں استقلال اور ثابت قدمی زیادہ ہوتی تھی اور شک کرنے والوں کے دلوں میں رُعب طاری ہوتا تھا۔

تمام مختلف مذہبی گروہوں نے جو جزیرہ نمائے عرب اور اُس کے قرب وجوار میں رہتے تھے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ مذہب اسلام کے کمزور پودے کو جس کی جڑیں ابھی مستحکم نہیں ہوئیں اُکھاڑ کر پھینک دیں اور اُس کی دعوت کو موقوف کر کے اس کا نام دنیا سے نیست و نابود کر دیں۔ مگر وہ باوجود اپنی کمزوری کے اپنی حیثیت اور استطاعت کے موافق مدافعت کرتا رہا اور اُن کے سخت حملوں سے اپنی جان کو بچاتا رہا۔ نہ کوئی حمایت کرنے والا تھا نہ کوئی مددگار، مگر چونکہ وہ مذہب بالکل حق اور سراسر ہدایت تھا اس لئے وہ کامیاب ہوا اور عزت و قوت حاصل کی۔ اُس وقت مختلف مذہبی فرقوں نے جزیرۂ عرب کو پامال کر رکھا تھا۔ وہ اپنے

مذہب کی دعوت اور اُس کی اشاعت کرتے تھے۔ ان فرقوں کے حاکم یا بادشاہ صاحب عزت اور صاحب شوکت تھے اور مذہبی عقائد کے تسلیم کرنے پر لوگوں کو مجبور کرتے تھے مگر تاہم اُن کی یہ جابرانہ کوششیں بالکل ناکام رہیں اور اُن کو کسی قسم کی فلاح اور بہبودی نصیب نہوئی۔

مذہب اسلام نے عرب کے وحشیوں میں جو لڑنے اور جھگڑنے اور لوٹ مار کے سوا کچھ نہ جانتے تھے ایسا اتحاد و اتفاق پیدا کر دیا جس کی نظیر اُن کی گزشتہ تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خدا کے حکم کے موافق روم اور فارس کے بادشاہوں کو جو ملک عرب کے آس پاس تھے اپنے مذہب کی طرف دعوت کی اور ہدایت کی طرف بلایا۔ مگر اُنھوں نے انکار کیا بلکہ اس دعوت کی ہنسی اُڑائی۔ اور جہاں تک اُن سے ہوسکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی جماعت کے ساتھ دشمنی اور عداوت کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اُن کے لئے تمام راستے خطرناک کر دیئے اور تمام تجارتی منڈیوں میں اُن کی آمد و رفت بند کر دی۔ اس لئے اپنی حفاظت اور تبلیغ دعوت کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی طرف فوجیں روانہ کیں اور یہی طریقہ آپ کے صحابیوں اور جانشینوں نے اختیار کیا ان لوگوں نے حق اور راست بازی کو اپنے دونوں ہاتھوں میں اُٹھا کر روم اور فارس پر حملہ کیا۔ باوجودیکہ مُسلمان نہایت ضعیف اور فقر و فاقہ کی حالت میں تھے اور اُن کے حریف قوت اور شوکت، دولت و ثروت تعداد اور سامان جنگ کے لحاظ سے ہزار درجہ بڑھے ہوئے تھے تاہم اُن کو وہ فتوحات اور کامیابیاں حاصل ہوئیں جو تمام قوموں کی تاریخ میں مشہور و معروف ہیں ان لڑائیوں میں مسلمانوں کا ہمیشہ یہ اُصول رہا ہے کہ جب لڑائی کا خاتمہ اُن کی فتح پر ہوتا تو مغلوبوں اور زیردستوں پر رحم کرتے اور نہایت مہربانی اور نرمی سے اُن کے ساتھ پیش آتے اور اُن کو اجازت دیتے کہ وہ اپنے اپنے مذہب پر ثابت قدم رہیں اور اپنے مذہبی فرایض کو نہایت اطمینان کے ساتھ بلا روک ٹوک ادا کرتے رہیں۔ اُن کی جان و مال کی ایسی ہی حفاظت کرتے جیسی کہ وہ اپنی کر سکتے تھے اور اس کے معاوضہ میں صرف ایک خفیف سی رقم اُن سے لی جاتی تھی۔ اُس وقت مُسلمانوں کے سوا اور بادشاہوں کا یہ دستور تھا کہ وہ جب کوئی ملک فتح کرتے تھے تو فتح مند لشکر کے پیچھے پیچھے مذہبی دعوت کرنے والوں کا بھی ایک لشکر روانہ کرتے تھے جو لوگوں پر طرح طرح کے جبر و تشدد کر کے اپنے اُس مذہب کی طرف بلاتے تھے جس کی صحت کی دلیل قوت اور غلبہ کے سوا اُن کے پاس کچھ نہ ہوتی تھی۔ فتوحات اسلام کی تاریخ میں یہ بات

کوئی نہیں بتلا سکتا کہ مذہبی دعوت کرنے کے لئے کسی مسلمان فاتح کے ساتھ کوئی خاص جماعت تھی جس کا کام صرف مذہب کی اشاعت اور اپنے عقائد کا پھیلانا ہوتا تھا۔ بلکہ اُن میں اسلام کی اشاعت کا صرف یہی طریقہ تھا کہ وہ دوسری قوم سے ملتے اور اُن کے ساتھ نہایت صفائی اور سچائی اور ایمانداری کے ساتھ معاملہ کرتے تھے اور لوگ اُن کی راستبازی اور اخلاقی خوبیوں کے گرویدہ ہوجاتے تھے۔ تمام دنیا جانتی ہے کہ مغلوبوں اور زیردستوں کے ساتھ سہولت اور نرمی سے معاملہ کرنے کی اسلام میں کس قدر فضیلت لکھی ہے حالانکہ یورپ کے لوگ اس کو نہایت پست ہمتی اور بودا پن خیال کرتے ہیں۔ اسلام نے اُن تمام محصولوں اور ٹیکسوں کو اُٹھا دیا جو پہلے جابر بادشاہوں اور ظالم حاکموں نے رعایا پر لگا رکھے تھے۔ ناانصاف غاصبوں سے چھین کر حقداروں کو ان کا حق دلایا واجبی حقوق کے مطالبہ میں مُسلمان اور غیر مسلمان کو یکساں طور پر آزادی عطا کی۔ کچھ زمانہ کے بعد مسلمانوں میں یہ رواج ہو گیا تھا کہ جب کوئی اسلام میں داخل ہونا چاہے اُس کے لئے ضرور تھا کہ محکمۂ شرعی میں قاضی کے پاس حاضر ہو کر اقرار کرے کہ وہ بلا اکراہ و اجبار مسلمان ہوتا ہے، نہ کسی نے اُس پر زبردستی کی ہے اور نہ دنیوی لالچ سے مُسلمان ہوتا ہے، حتیٰ کہ بعض خلفاء بنی اُمیہ کے عہد حکومت میں یہاں تک نوبت پہنچ گئی تھی کہ سلطنت کے عمال لوگ اسلام میں داخل ہونے کو مکروہ سمجھنے لگے تھے۔ کیونکہ جس قدر زیادہ لوگ مُسلمان ہوتے تھے اُسی قدر جزیہ کی رقم گھٹتی جاتی تھی۔ اس لئے یہ مسلمان عمال اسلام کے شیوع میں سد راہ تھے۔ ہر زمانہ میں مُسلمان بادشاہوں اور خلیفوں نے اپنی سلطنت کے بڑے بڑے عہدے اور معزز منصب صرف مسلمانوں کے ہی لئے مخصوص نہیں کئے بلکہ اہل کتاب وغیرہ دوسرے مذاہب کے قابل اور کارگزار اشخاص کو بھی مرحمت کئے، حتیٰ کہ ان میں سے ایک شخص اُندلس کی اسلامی فوج کا کمانڈر انچیف ہوا ہے غرض کہ اسلامی شہروں اور ملکوں کی نسبت مذہبی آزادی کی اس قدر شہرت ہو گئی تھی کہ بے شمار یہودی یورپ کو چھوڑ کر اُندلس وغیرہ اسلامی ملکوں میں چلے آئے۔

مسلمانوں نے جس قدر ملک اپنی تلوار سے فتح کئے اُن پر کسی قسم کی سختی اور درشتی نہیں کی بلکہ آسمانی کتاب اور خدا کی شریعت اُن کے سامنے پیش کر دی اور اُن کو اختیار دیا کہ وہ اُس کو قبول کریں یا نہ کریں نہ اُن کے سامنے مذہب کی منادی کی اور نہ اُس کی اشاعت میں کسی قسم کی قوت کا استعمال کیا۔ جزیہ کی رقم اس قدر خفیف لگائی جس کا ادا کرنا کسی شخص پر بھی دشوار اور ناگوار نہیں ہو سکتا۔ پس وہ کونسی بات تھی جس نے مختلف مذاہب والوں کو اسلام کی طرف مائل کیا اور اُن کو یقین دلایا کہ یہی مذہب حق

اور خدا کی مرضی کے مطابق ہے اور اُن کے آبائی مذہب بالکل چھوٹے ہیں اور اُن کو چھوڑ کر جوق جوق اسلام میں داخل ہونے لگے اور اُس کی خدمت میں ایسی کوششیں اور جانفشانیاں کیں جو خود عربوں نے بھی نہ کی تھیں۔

جزیرہ نمائے عرب میں جس وقت اسلام کی روشنی نمودار ہوئی اُس وقت وہاں شرک اور بُت پرستی کی تاریکی چھائی ہوئی تھی اسلام نے اُس کو دُور کیا اور اُن کو تمام بداخلاقیوں اور بداعمالیوں سے پاک صاف کرکے سیدھے رستے پر لگا دیا۔ اس لئے قدیم آسمانی کتابوں کے پڑھنے والوں اور ربانی شریعتوں کے سمجھنے والوں کو محقق طور پر ثابت ہوگیا کہ خدا کا وعدہ ہے جو اُس نے اپنے پیغمبروں ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام سے کیا تھا اور یہ مذہب وہی مذہب ہے جس کی نسبت انبیا علیہم السلام نے اپنی قوموں کو بشارت دی تھی اس لئے اُن میں سے جو لوگ منصف مزاج اور تعصب اور ہٹ دھرمی سے پاک تھے اُنھوں نے دشمنی اور عناد کو ترک کرکے نہایت خوشی کے ساتھ اُس کو قبول کرلیا اور جو ان کا اور اُن کی قوم کا آبائی مذہب اور عقیدہ تھا اُس کو چھوڑ دیا۔ اس سے اُن کے مقلّدوں کے دلوں میں اپنے عقائد کی نسبت شک پیدا ہوگیا جس سے اُنھوں نے مذہب اسلام کے عقائد میں غور کرنا شروع کیا۔ اُن کو معلوم ہوا کہ وہ سراسر خدا کی رحمت اور مہربانی اور اُس کی نعمت ہے۔ اُس کے تمام عقیدے ایسے صاف اور سیدھے سادے ہیں کہ اُن کو عقل آسانی کے ساتھ قبول کرسکتی ہے۔ اُس کے اعمال اور احکام ایسے دشوار اور سخت نہیں جن کے برداشت کرنے سے انسانی طبیعتیں عاجز ہوں۔ اُنھوں نے دیکھا کہ اسلام عالم سفلی سے نکال کر عالم ملکوت کی طرف لے جاتا ہے اور باوجود اس کے وہ پاکیزہ چیزوں کے استعمال کی ممانعت نہیں کرتا، نہ ایسی عبادتیں فرض کرتا ہے جن کا بجا لانا انسانی طبیعتوں پر شاق اور دشوار ہو۔ کھانے پینے اور کپڑا پہننے اور بدن کے اور حقوق ادا کرنے میں بھی وہ خدا کی رضامندی اور اُس کے ثواب کا وعدہ کرتا ہے، بشرطیکہ نیت پاک اور سچی ہو۔ اگر ہوا و ہوس کے غلبہ سے کوئی نافرمانی یا گناہ ہوجائے تو خدا کی مغفرت اُس کو محو کرسکتی ہے، بشرطیکہ سچے دل سے توبہ کی جائے۔ جب اُنھوں نے قرآن کو پڑھا اور اُس کے ماننے والوں کی پاکیزہ سیرتوں کو دیکھا تو اُن پر اس مذہب کی سادگی اور سچائی بالکل ظاہر ہوگئی اور اُن کو معلوم ہوگیا کہ اس کے عقائد اور مسائل ادنیٰ تامل اور سرسری نظر سے سمجھ میں آسکتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے موجودہ مذاہب کے

رموز اور اسرار عقل سے خارج اور فہم سے بالاتر ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے ناقابل برداشت مذاہب کو چھوڑ کر فوراً اسلام میں داخل ہونے لگے۔ اُس وقت بعض قومیں امتیاز کی مصیبت سے سخت نالاں تھیں جس سے بعض طبقوں یا خاندانوں کو بغیر کسی حق کے دوسرے طبقوں اور خاندانوں پر رفعت اور برتری حاصل ہوگئی تھی اور اُن کی خواہشات اور اغراض کے مقابلہ میں غریبوں اور ادنیٰ درجہ کے لوگوں کے حقوق پامال کئے جاتے تھے۔ مذہب اسلام نے اس امتیاز کو باطل کرکے جان و مال، عزّت و آبرو، دین و مذہب کے احترام کے لحاظ سے تمام طبقوں اور تمام خاندانوں اور تمام قوموں میں مساوات کر دی۔ غریبوں کے حقوق کی یہاں تک حفاظت کی کہ ایک فقیر عورت نے جو مسلمان نہ تھی بڑی سے بڑی قیمت میں اپنا جھونپڑا فروخت کرنے سے انکار کیا جس کو ایک بڑے علاقہ کا مسلمان مطلق العنان حاکم مسجد میں شامل کرنے کے لئے خریدنا چاہتا تھا۔ اور جب اُس عورت نے خلیفہ کے دربار میں شکایت کی تو حاکم کو اس حرکت پر سخت ملامت کی گئی عدل و انصاف کے قوانین کو یہاں تک مستحکم کیا کہ ایک یہودی کو اس بات کی جرأت ہوئی کہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب جیسے جلیل القدر صحابی کے ساتھ مخاصمت کرے اور وہ دونوں فیصلہ کرنے والے کے روبرو ایک حالت میں کھڑے کئے جائیں۔ اسلام کی یہی خوبیاں تھیں جن کو دیکھکر اُس کے دشمن بھی گرویدہ ہوگئے اور عداوت کو چھوڑ کر اُس کے حامی اور مددگار بن گئے۔

جس زمانہ میں مسلمانوں پر اسلامی روح غالب تھی وہ اپنے غیر مذہب والے ہمسایوں کے ساتھ نہایت شفقت اور مہربانی سے پیش آتے تھے۔ وہ کسی کے ساتھ عداوت اور مخالفت نہ کرتے تھے مگر جبکہ اُس کا آغاز ہمسایہ کی طرف سے ہو۔ اور جب مخالفت کے اسباب رفع ہوجاتے تو پھر وہ بدستور نرمی اور محبت کے ساتھ معاملہ کرتے تھے۔ اور باوجود اس کے کہ اسلام کی طرف سے مسلمانوں نے غفلت کی اور دانستہ و نادانستہ اُس کی بربادی میں کوشش کرنے لگے مگر تاہم اُس کی ترقی اور کامیابی کی رفتار خاص کر چین اور افریقہ میں برابر جاری رہی اور کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا جس میں مختلف مذہبوں کی بڑی بڑی جماعتیں اپنے خیالات اور عقائد سے تائب ہوکر اسلام میں داخل نہوئی ہوں۔ نہ کوئی ان کے سامنے مذہب اسلام کی دعوت کرنے والا ہے اور نہ ان کی گردن پر کوئی

تلوار رکھنے والا - جبکہ یہ لوگ صرف اُس کی خوبیاں دیکھکر مسلمان ہوتے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ مذہب اسلام کا اس سرعت اور تیزی کے ساتھ ترقی کرنا اور کامیاب ہونا صرف اس وجہ سے تھا کہ وہ آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے اور اُس کے احکام نہایت سہل اور اُس کی شریعت عدل و انصاف کی بنیاد پر قایم کی گئی ہے - کیونکہ انسانی طبیعتیں صرف ایسے مذہب کی مُتلاشی ہیں جو اُن کی مصلحتوں کے مناسب اُن کے قلوب اور حواس سے زیادہ قریب اور دنیا و آخرت کی تسلی دینے والا ہو - جو مذہب ایسا ہوگا وہ خود دلوں میں سرایت کر جائے گا اور عقلیں اُس کو بہت جلد قبول کر لیں گی - اُس کو ایسی دعوت کرنے والوں کی ضرورت ہوگی جو اُس کی اشاعت میں بے شمار دولت اور قیمتی وقت خرچ کریں اور اُس کی ترقی کے وسائل بہم پہنچائیں اور لوگوں کو پھانسنے کے لئے طرح طرح کے جال پھیلائیں -

ہمارے اس بیان کو جو لوگ نہیں سمجھتے یا سمجھنا نہیں چاہتے اُن کا قول ہے کہ "اسلام کی اشاعت اور ترقی جو دنیا بھر میں اس سرعت اور تیزی کے ساتھ ہوئی وہ صرف تلوار کی بدولت ہوئی - جب مسلمان فتوحات کے لئے اُٹھے اُن کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں تلوار تھی وہ جس ملک کو فتح کرتے تھے قرآن اُن کے سامنے پیش کرتے تھے اگر وہ اُس کو قبول نہ کرتے تو تلوار اُن کی زندگی کا خاتمہ کر دیتی تھی" ہمارے نزدیک معترضوں کا یہ قول بالکل بُہتان اور سراسر اتہام ہے کیونکہ مسلمانوں نے اپنی مفتوح قوموں کے ساتھ جس قدر فیاضانہ اور آزادانہ برتاؤ کیا ہے جس کی تفصیل ہم اوپر بیان کر چکے ہیں وہ متواتر حدیثوں اور صحیح روایتوں سے ثابت ہوتا ہے جن میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجایش نہیں - مُسلمانوں نے ابتدا میں صرف مدافعت اور اپنی حفاظت کی غرض سے تلوار اُٹھائی تاکہ دشمن اُن پر ظلم و تعدی نہ کر سکیں - اور اُس کے بعد جہاں کہیں فوج کشی ہوئی وہ ملکی ضرورتوں اور پولیٹکل مصلحتوں سے ہوئی - یہ بالکل غلط ہے کہ مسلمانوں نے اپنے مذہب کو تلوار کے زور سے پھیلایا ہاں یہ ضرور ہوا کہ مسلمان لوگ غیر ملک والوں کے ہمسایہ ہوئے اور بعض اوقات اُن کو اپنے ملک میں پناہ دی اس ذریعہ سے اُن کو اسلام کے اصول اور عقائد کا علم حاصل ہوا اور وہ اپنی دنیا و آخرت کی بہبودی سمجھکر خوشی اور رضامندی کے ساتھ اسلام میں داخل ہوئے اگر تلوار سے کسی مذہب کی اشاعت ممکن ہوتی تو وہ مذہب دنیا میں سب سے زیادہ کامیاب ہوتا -

قول

جنھوں نے صدیوں تک قوموں کی گردنوں پر تلوار رکھی اور اُن کو مجبور کیا کہ تلوار کا مذہب قبول کریں اور اُن کو دھمکایا کہ اگر وہ اس مذہب کو تسلیم نہ کریں گی تو بالکل تباہ و برباد اور سطح زمین سے بالکل مٹا دی جائیں گی۔ یہ مذہبی اشاعت کا جابرانہ کام ظہور اسلام سے تین صدی پہلے شروع ہوا اور ظہور اسلام سے سات صدیوں بعد تک نہایت شد و مد کے ساتھ برابر جاری رہا۔ ان کامل دس صدیوں میں تلوار نے مذہبی عقائد کی جس قدر اشاعت کی وہ ہرگز اُس کی برابر نہیں ہو سکتی جو اسلام نے ایک صدی سے کم عرصہ میں کرکے دکھلا دیا۔ اور ہاں صرف تلوار ہی پر اکتفا نہیں کی جاتی تھی بلکہ جس طرف تلوار ایک قدم بڑھتی تھی مذہبی دعوت کرنے والے اُس کے پیچھے پیچھے چلتے تھے اور اُس کی حمایت کے بل پر جو چاہتے تھے کہتے تھے۔

مذہب اسلام کے ظہور اور اُس کی ترقی میں خدا کی عجیب و غریب حکمت ہے۔ عرب کے چٹیل میدانوں میں جو تمام دنیا کی نسبت تمدن اور شایستگی سے دُور تھے، ایک ابدی حیات کا سرچشمہ نکلا اور بہکر تمام ملک میں پھیل گیا۔ اتحاد و اتفاق پیدا کرکے مذہبی اور قومی زندگی کی روح اُن میں پھونکی۔ اُس کا سیلاب اس قدر بلند ہوا کہ جو ممالک تہذیب اور تمدن، رفعت اور برتری کے لحاظ سے اہل آسمان پر فخر کرتے تھے اُن کو بھی غرق کر دیا۔ اُس کی نرم آواز نے نہایت سخت اور سنگین روحوں کو لرزا دیا اور اُن کی زندگی کے مخفی راز کو ظاہر کر دیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ "اُس کی اشاعت فی الجملہ سختی اور درشتی سے خالی نہ تھی"، میں کہتا ہوں کہ یہ ایک قدرتی بات ہے کہ ہمیشہ سے حق و باطل میں جدال و قتال کا سلسلہ جاری رہا ہے اور جبتک خدا کی مشیّت اس کی نسبت کوئی فیصلہ نافذ نہ کرے برابر جاری رہیگا۔ جب کسی قحط زدہ زمین کے زندہ کرنے اور اُس کی پیاس بجھا کر اُس کو سرسبز و شاداب کرنے کے لئے خداوند تعالیٰ ربیع کا سیلاب بھیجتا ہے تو صرف اس بات سے اُس کی قدر و منزلت نہیں گھٹ سکتی کہ اُس کے رستہ میں کوئی ٹیکری حائل ہوئی اور وہ اُس کے اوپر سے گزر گیا یا کوئی عالیشان اور مستحکم مکان اُس کی زد میں آگیا اور اُس کو ڈھا دیا۔

جن جن ملکوں میں مسلمان پہنچے وہاں اسلامی نور چمکا اور اسلام کی روشنی پھیلی اس کا ذریعہ صرف یہی تھا کہ اُنھوں نے قرآن مجید کو سُنا اور اُس کے معانی اور مطالب کو سمجھا۔ مسلمان ایک عرصہ کے بعد اپنے مذہبی طریقے سے منحرف ہو کر آپس کی لڑائی جھگڑوں اور باہمی خانہ جنگیوں میں مشغول ہو گئے اس لئے

اسلام کی ترقی میں سکون پیدا ہوگیا اور قریب تھا کہ وہ تنزل اور انحطاط کی طرف مائل ہو مگر خدا کو اُس کا سرسبز کرنا اور ترقی دینا منظور تھا اتفاقاً تاتاری فوجوں کا سیلاب جس کا سپہ سالار چنگیز خاں تھا اسلامی ممالک کی طرف یہ آیا اور جس بیدردی کے ساتھ اُنھوں نے مسلمانوں کے ساتھ برتاؤ کیا اُس کی تفصیل قابل تحریر نہیں۔ یہ لوگ بُت پرست تھے اور صرف قتل و غارت و لوٹ مار کے لئے اسلامی ممالک میں آئے تھے مگر کچھ عرصہ کے بعد اُن کی آیندہ نسلوں میں کچھ لوگ مُسلمان ہوگئے اور اُنھوں نے اپنی قوموں میں اسلام کی اشاعت کی اور وہ اُن میں اپنی معمولی سرعت اور تیزی سے نہایت کامیابی کے ساتھ پھیل گیا۔

یورپ والوں نے مشرقی ممالک پر ایک سخت حملہ کیا اور وہ اُن کے تمام ملکوں میں شریک ہوگئے اہل مشرق و مغرب کی یہ لڑائیاں دو سو سال سے زیادہ عرصہ تک جاری رہیں جن کی وجہ سے یورپ والوں میں مذہبی حمیت اور قومی غیرت پہلے سے زیادہ پیدا ہوگئی۔ جہاں تک ہوسکا اُنھوں نے فوجیں ترتیب دیکر اور سامان جنگ مُہیا کرکے اپنی پوری قوت کے ساتھ اسلامی ممالک پر حملہ کیا چونکہ اُن میں مذہبی روح کا بقیہ موجود تھا اس لئے اکثر شہر اُنھوں سے فتح کرلئے لیکن ان لڑائیوں کا انجام اس پر ہوا کہ اہل یورپ کو اپنے مفتوحہ شہر چھوڑ کر اپنے ملک کی طرف واپس جانا پڑا۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہی جس کا جواب دینا ضروری ہے وہ یہ ہی کہ اہل یورپ کیوں آئے تھے، اور کیا فائدہ اُٹھا کر اپنے ملک کو واپس گئے۔ مغربی ممالک کے مذہبی رئیسوں اور دینی پیشواؤں نے اپنی قوموں کو بھڑکا کر آمادہ کیا کہ مشرقی ممالک پر حملہ کرکے اُن کو پامال کردیں اور اُن ملکوں اور شہروں کو تسخیر کرکے اپنے قبضہ میں کرلیں جن کو وہ اپنے اعتقاد اور خیال کے موافق اپنا حق سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اس مطلب کے لئے یورپ کے بہت سے بادشاہ اور بے شمار امیر و وزیر اور دولتمند لوگ اور اِن سے نیچے رُتبہ کے بے شمار اشخاص جن کا اندازہ کئی ملین تک کیا جاتا ہی مشرق پر چڑھ آئے اور یہ لوگ مایوس ہوکر اپنے ملک کو واپس گئے تو ان میں بہت سے اشخاص نے اپنے ذاتی اور تجارتی فوائد کے لحاظ سے اسلامی ممالک میں سکونت اختیار کرلی۔ اور مسلمانوں کے حالات اور خیالات کو دیکھا اُن کو معلوم ہوگیا کہ جن مبالغات اور تعصبات نے ان کی عقلوں کو حیران اور پریشان کر رکھا ہی وہ بالکل اوہام ہیں جن کی حقیقت اور اصلیت کچھ بھی نہیں۔ اُنھوں نے دیکھا مذہبی آزادی کے ساتھ علوم و فنون صنعت و حرفت کی ترقی ہوسکتی ہی اور معلوم کیا کہ وسعت علم اور آزادی رائے ایمان کی دشمن نہیں بلکہ اُس کے وسائل اور اُس کے معاون ہیں۔ غرضکہ یورپ کے لوگ مسلمانوں کے ساتھ میل جول کرکے اور اس قسم کے آداب اور خیالات کا ایک قیمتی ذخیرہ جمع کرکے

اپنے ملک کو واپس چلے گئے۔ اسی طرح وہ لوگ بھی جنھوں نے ممالک اُندلس میں سفر کیا اور وہاں کے علما و حکما اور اُدبا سے مل کر علمی اور اخلاقی فیض حاصل کیا، اپنے وطن کی طرف لوٹے تاکہ جو کچھ اُنھوں نے حاصل کیا ہی اُس کا ذائقہ اپنی قوم اور ملک والوں کو چکھائیں۔ اس زمانہ سے یورپ کے عام خیالات میں بتدریج ترقی شروع ہوئی اور رفتہ رفتہ علم کی طرف عام رغبت زیادہ ہوتی گئی۔ اُولوالعزم اشخاص کی ہمتیں تقلید کی زنجیروں کے توڑ ڈلنے پر مستعد ہوگئیں۔ اور ارادہ کرلیا کہ مذہبی پیشواؤں کی بیجا حکومت کو جنھوں نے اپنے حقوق کو اعتدال سے بہت آگے بڑھا لیا ہے اور مذہب میں تحریف کرکے اُس کو بدل دیا ہی روک دیا جاوے۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ میں ایک فرقہ اُٹھا جس نے مذہبی اصلاح کا دعویٰ کیا اور مذہب کو اپنی قدیم سادہ حالت کی طرف لانا چاہا۔ اس فرقہ نے تغیر و تبدل کرکے اُس کو ایسا مذہب بنا دیا جو اسلام کے قریب قریب تھا بلکہ بعض فرقوں نے تو مذہبی عقائد میں یہاں تک اصلاح کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے سوا باقی عقائد اسلام کے ساتھ بالکل متفق ہوگئے۔ غرضکہ اس وقت جو اُن کا مذہب ہے وہ صرف نام کے اعتبار سے مختلف ہی باقی طرز عبادت کے اختلاف کے سوا اور کوئی اختلاف نہیں

اس کے بعد یورپ والے اپنے اوہام کے قیود سے آزاد ہونے اور اپنے حالات کو درست کرنے لگے۔ حتیٰ کہ اُن کے تمام دنیوی کاروبار اسلامی ہدایات کے موافق ٹھیک ہوگئے۔ اور موجودہ تمدن کے اصول مقرر ہوئے جو متاخر نسلوں کے لئے مایہ الافتخار ہیں اور مایۂ ناز ہیں۔ مگر اُن کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ باتیں کس کی رہنمائی سے حاصل ہوئی ہیں۔ یہ ایک قطرہ ہے جو اسلام کے باران رحمت سے ایک قابل زمین پر پڑا اور اُس کو سرسبز و شاداب کردیا۔ یہ لوگ مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے آئے تھے اور اس لئے اپنے ملک کو واپس گئے تاکہ اپنی قوم اور ملک کو فائدہ پہنچائیں۔ مذہبی پیشواؤں نے خیال کیا تھا کہ ان لوگوں کے اُبھارنے اور بھڑکانے میں ہماری حکومت کو استحکام ہوگا مگر اُس میں اور ضعف پیدا ہوگیا۔ اسلام کی نسبت جو کچھ ہم نے بیان کیا ہی اُس کو وہ تمام اشخاص جانتے ہیں جنھوں نے اُس کے حالات میں غور کیا ہی حتیٰ کہ یورپ کے اکثر منصف مزاج فاضلوں نے اقرار کیا ہے کہ "اسلام اُن کا سب سے بڑا اُستاد ہے اور اس وقت یورپ کو جو کچھ ترقی اور شائستگی حاصل ہے وہ سب اسلام کی بدولت ہی"

مذہب اسلام وہ مذہب ہی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور صحابہ کرام اور اُن کے معاصرین کو آپنے اُس کی تعلیم و تلقین فرمائی۔ اور ایک زمانہ تک بغیر کسی قسم کے اختلاف اور تاویل اور طبعی میلان کے اُس پر عمل کرتے رہے ہیں۔ میں اس مذہب کو قرآن مجید کی اقتدا کرکے اس باب میں مجمل طور پر بیان کروں گا اور اُس میں سوائے قرآن مجید اور صحیح حدیثوں کے کوئی چیز میرے لیے سند نہیں

مذہب اسلام خدا کی ذات اور اُس کے افعال میں توحید کی تعلیم کرتا ہے اور اُس کو مخلوق کی مشابہت سے پاک ظاہر کرتا ہی۔ اس نے اس بات پر بہت سی دلیلیں قائم کی ہیں کہ دنیا کے لیے ایک پیدا کرنے والا ہی جو علم، قدرت، ارادہ وغیرہ اعلیٰ درجہ کی صفات کے ساتھ متصف ہی اور مخلوقات میں سے کوئی شے اُس کے مشابہ نہیں ہی۔ مخلوق کے ساتھ اُس کو کوئی نسبت نہیں ہے، مگر صرف نسبت ہی کہ وہ ان کا موجد اور پیدا کرنے والا ہے، اور وہ اُسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ؕ

اے پیغمبر یہ لوگ جو تم سے خدا کا حال پوچھتے ہیں تو تم اُن سے کہو کہ اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہی نہ اُس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ اور نہ کوئی اُس کے برابر کا ہی۔

اور قرآن شریف میں جو الفاظ وجہ، یدین، استوا، وغیرہ وارد ہوئے ہیں اُن کے معنی اُن عربوں نے سمجھ لئے تھے جو کتاب کے مخاطب تھے اور اُن کو کسی قسم کا شبہ نہیں ہوا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ خدا کی ذات وصفات کا دنیا کی کسی روح یا جسم میں ظاہر ہونا محال ہی۔ ہاں خدا تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کسی کو چاہتا ہے علم اور حکومت عطا کرتا ہی۔

مذہب اسلام ہر ایک ذی عقل پر اس بات کو حرام کرتا ہی کہ وہ بغیر یقینی دلیل کے جس کے مقدمات حواس کے حکم پر منتہی ہوتے ہوں، یا بدیہیات سے مرکب ہوں جن میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو سکے (جیسے کہ اجتماع نقیضین یا ارتفاع نقیضین کا محال ہونا یا کل کا اپنے جزو سے بڑا ہونا) کسی چیز کا اقرار کرے۔ اُس نے دوسروں کی طرح انبیاء علیہم السلام کی نسبت بھی حکم لگا دیا کہ وہ اپنے لئے نفع نقصان کے مالک نہیں

زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ وہ اُس کے مکرّم اور محترم بندے ہیں اور جو کچھ اُن کے ہاتھوں پر جاری ہوتا ہے وہ خدا کی خاص اجازت اور خاص حکمت سے ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں وارد ہوا ہے کہ

وَاللّٰہُ اَخرَجَکُم مِّن بُطُونِ اُمَّھٰتِکُم لَا تَعلَمُونَ شَیئًا وَّجَعَلَ لَکُمُ السَّمعَ وَالاَبصَارَ وَالاَفئِدَۃَ لَعَلَّکُم تَشکُرُونَ

"اللہ ہی نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے نکالا اُس وقت تم کچھ نہ جانتے تھے اور تم کو کان دیئے اور آنکھیں دیں اور دل دیئے تاکہ تم اُس کا شکر کرو۔"

عرب کے نزدیک شکر کے جو مشہور معنی ہیں وہ یہ ہیں کہ نعمت کو صرف اُسی کام میں لگانا جس کے لئے وہ نعمت عطا ہوئی ہے۔ اس قسم کی آیات سے اس امر کی طرف رہنمائی کی گئی ہے کہ ہم کو خدا نے حواس عطا کئے ہیں اور ہم میں بہت سی قوتیں ودیعت رکھی ہیں جن کو ہم انھیں کاموں میں خرچ کر سکتے ہیں جن کے لئے وہ عطا کی گئی ہیں۔ پس ہر شخص خود اپنا کام کرنے والا ہے اور اُس کی بھلائی اور بُرائی کا ذمہ دار اور نفع یا نقصان اُٹھانے والا ہے۔

مگر ایک زبردست قوّت ہم پاتے ہیں جو ہمارے حواس اور قویٰ پر حکمرانی کرتی ہے اور جو اُن کو امداد پہنچاتی ہے۔ اُس قوت کی تہ کو پہنچنا ہماری عقل کا کام نہیں ہے۔ ہمارے حواس اُس کی حقیقت کے سمجھنے سے حیران ہیں اور چونکہ وہ اُن تمام قوّتوں سے بالاتر ہے جو اب تک ہم کو معلوم ہیں، اس لئے اُس کے پہچاننے سے ہم عاجز ہیں۔ پس اُسی قوت کے سامنے گردن جھکانا اور اُسی کی طرف توجہ کرنا چاہیئے، اس لئے کہ اُن تمام قوتوں کا مرجع خدائے وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی نہیں۔ پس سوائے اُس کے اور کسی کی اطاعت نہ ہم پر لازم ہے اور نہ ہم کسی اور طرف رجوع کرنے سے تسلّی پا سکتے ہیں۔ اُمید وبیم کے کاموں میں جن پر آیندہ زندگی کا مدار ہے ہمارے قویٰ اور حواس کی یہی حالت ہونا چاہیئے۔ اُن کو ہرگز اجازت نہیں ہے کہ نیک اعمال وافعال کے مقبول ہونے، یا بدکرداریوں کے معاف ہونے کی توقع کسی اور سے رکھیں اور حقیقت میں صرف وہی ایک خدا ہے جو جزا و سزا کے دن آزادی کے ساتھ حکومت کرے گا۔

غرضکہ مذہب اسلام نے تمام اخلاق اور فضائل کو زندہ کیا اور نظام عالم کے ہر قسم کے قواعد کو مرتب اور مقرر کیا۔ انسان کی رائے اور عقل کو آزادی بخشی، اُس کی ہمت کو ہر قسم کے کاموں اور کوششوں میں اُولوالعزمی عطا کی۔ جو لوگ قرآن مجید کو غور اور فکر کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں اور سمجھ بوجھ سے کام لیتے ہیں

اُن کو معلوم ہی کہ وہ اس قسم کے جواہرات کا ایک خزانہ ہی جو کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ اب سوائے اُس کی پیروی کے دینی اور دنیوی سعادت حاصل کرنے کے لئے کوئی ذریعہ نہیں ہی۔ یہی وجہ ہے کہ نبوتیں اور رسالتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت پر ختم ہو گئیں جیسا کہ قرآن شریف اور سنتہ صحیحہ میں صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہی۔ ختم نبوت کی ظاہری علامت یہ ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کے بہت سے مدعی کھڑے ہوئے مگر کسی کو کامیابی نصیب نہیں ہوئی اور دنیا کو اس امر سے اطمینان ہو گیا کہ اب نبوت یا رسالت کے کسی مدعی کی دعوت قبول نہیں ہو سکتی۔ ھکذا یصدق نباء الغیب "ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین وکان اللہ بکل شیٔ علیما"۔

مذہب اسلام نے اس سے ہر ایک قسم کی بُت پرستی کی بیخکنی کر دی اور ان باطل عقیدوں اور غلط خیالات سے جس قدر فاسد توہمات انسانی عقول پر چھائے ہوئے تھے اُن کو دُور کیا اور انسانی نفوس کو اُن بداخلاقیوں اور بداعمالیوں سے بالکل پاک وصاف کر دیا جو ان باطل توہمات کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھیں۔ انسان کی قدر وقیمت، عزت اور عظمت کو ترقی دی۔ کیونکہ اب وہ اپنے خالق کے سوا درختوں اور پتھروں کے آگے اپنا سر نہیں جھکاتا۔ اور ہر شخص پر فرض کر دیا کہ اس بات کا اقرار کرے کہ

انی وجھت وجھی للذی فطر	مَیں نے تو اپنا رُخ ایک ہی ذات پاک کی طرف کر لیا ہی
السموٰت والارض حنیفا وما	جس نے آسمان و زمین کو بنایا اور میں مشرکوں میں سے
انا من المشرکین۔ اِنَّ صلاتی	نہیں ہوں۔ میری نماز اور عبادت اور میرا مرنا و جینا خدا ہی
ونسکی ومحیای ومماتی للہ ربِّ	کے لئے ہے جو سارے جہان کا پروردگار ہے۔ کوئی اُس کا
العلمین لا شریک لہٗ وبذالک	شریک نہیں اور مجھکو ایسا ہی حکم دیا گیا ہی اور میں اُس کے فرمان
امرت وانا اول المسلمین	برداروں میں سے سب سے پہلا ہوں۔

اس سے انسان کا نفس آزاد اور اُن تمام قیود سے مطلق العنان ہو گیا جن کا وہ اعتقاد رکھتا تھا اور درختوں، پتھروں، قبروں اور ستاروں اور شفاعت کرنے والوں اور کاہنوں کی قید سے چھوٹ گیا جن کو وہ اپنے اور خدا کے درمیان واسطہ اور نجات کا ذریعہ خیال کرتا تھا۔ غرضکہ روح کو مکاروں اور دغابازوں کی بندگی سے چھڑا کر تمام آدمیوں کو یکساں طور پر خدا کا خالص بندہ بنا دیا۔ اس بندگی میں

چھوٹے بڑے امیر غریب، ادنیٰ اعلیٰ سب برابر ہیں۔ ہاں اگر کسی کو کچھ فضیلت ہے تو محض علم اور عقل کی وجہ سے ہی عقل اور عمل کے سوا جو توہم اور ریا سے پاک وصاف ہوں فضیلت اور خدا کے تقرب کا کوئی ذریعہ نہیں۔

اسلام نے حکم دیا کہ ہر شخص جو کام کر سکتا ہو وہ کرے مگر وہ اُس کے نفع نقصان کا ذمہ دار ہے جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہے کہ

فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ	"جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اُس کو دیکھ لے گا اور جس نے
ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ	ذرہ بھر برائی کی ہو گی وہ اُس کو دیکھ لے گا اور یہ کہ انسان کو
لیس للانسان الا ما سعیٰ	اُتنا ہی ملے گا جتنی اُس نے کوشش کی۔"

اور ہر شخص کو اجازت دی کہ وہ پاکیزہ اور ستھری چیزوں میں سے جو چاہے کھائے اور پئے اور صرف وہی چیزیں حرام کیں جو اُس کی ذات کے لئے مضر تھیں، یا اُن کا ضرر متعدی تھا۔ اور اس کے لئے حدود مقرر کیں جو تمام انسانی مصلحتوں پر پوری طرح منطبق ہیں۔ غرض کہ ہر شخص کو اپنے کام میں مستقل اور مختار کر دیا جس سے اُولو العزم ہمتوں کے لئے کوشش کرنے کا میدان وسیع ہو گیا۔

آبائی تقلید کے لشکر جو انسانی نفوس پر غالب ہو رہے تھے، اسلام نے اُن پر ایک سخت حملہ کر کے اُن کو شکست دی اور تقلید کے اصول جو خیالات میں راسخ ہو گئے تھے اُن کو جڑ سے اُکھاڑ کر پھینک دیا! اُس نے عقل کو للکارا اور خواب غفلت سے جگایا اور بلند آواز سے پکارا کہ انسان اس لئے نہیں پیدا کیا گیا کہ وہ اونٹ کی طرح مُہار پکڑ کر کھینچا جائے، بلکہ اُس کی فطرت میں اس بات کی قابلیت اور استعداد رکھی گئی ہے کہ وہ علم کے ذریعہ سے ہدایت حاصل کرے اور واقعات اور حادثات کے اسباب اور دلائل کا سُراغ لگائے (معلم صرف رہنمائی کرنے والے اور بحث وجستجو کا طریقہ بتانے والے ہیں) اُس نے اہلِ حق کی تعریف اس طرح کی "اَلَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فیتبعون احسنہ"، یعنی "وہ لوگ جو باتوں کو سُنتے ہیں اور اُن میں سے اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں۔" اس آیت میں اہلِ حق کا یہ وصف بیان کیا گیا ہے کہ وہ کہنے والوں کو نہیں دیکھتے بلکہ اُن کے اقوال کو دیکھتے ہیں۔ اچھی باتوں کو لے لیتے ہیں غلط اور بیکار باتوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔

آبائی خیالات اور آبائی عقائد جو اولاد میں منتقل ہوتے ہیں اسلام نے اُن کی تردید کی اور جو لوگ پُرانی لکیر کے فقیر اور اپنے آبا واجداد کی رسوم کے پابند ہیں، اُن کی سفاہت اور حماقت کو تصریح کے ساتھ

طور کر کے کی ... ہمتی

بیان کیا اور ظاہر کیا ہے کہ پہلے زمانہ میں ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ علم وعقل میں زیادہ تھے یا پہلے زمانہ والوں کے ذہن اور عقلیں موجودہ زمانہ والوں کے ذہنوں اور عقلوں سے زیادہ تھیں، بلکہ تمیز اور فطرت کے لحاظ سے پچھلے اور اگلے سب برابر ہیں، بلکہ اکثر پچھلے لوگ گذشتہ زمانہ کے حادثات اور واقعات سے واقف ہوکر زیادہ تجربہ کار اور باخبر ہوجاتے ہیں۔ گذشتہ زمانہ کے لوگوں کو اُن کی نافرمانیوں اور بداعمالیوں سے جو ناگوار نتایج حاصل ہوتے ہیں اُن سے بھی موجودہ زمانہ کے لوگ فائدہ اُٹھاتے اور عبرت پکڑتے ہیں "قل سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین" یعنی اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو کہ ملک میں چلو پھرو، پھر دیکھو کہ پیغمبروں کے جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ اسلام نے آبا و اجداد کی پیروی اور تقلید کرنے پر ارباب مذاہب کی مذمت کی جن کا قول یہ تھا "انّا وجدنا آباءنا علیٰ اُمۃ وانا علیٰ اثارھم مھتدون۔ بل نتبع ما وجدنا علیہ آباءنا" یعنی ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور اُنھیں کے قدم بقدم ہم بھی ٹھیک رستے پر چلے جارہے ہیں۔ اس سے شہنشاہ عقل کو ہر قسم کی قید اور تقلید سے آزاد کردیا اور اُس کو پھر اپنی سلطنت کا مالک ومختار بنادیا کہ وہ اپنی حکمت کے موافق جس طرح چاہے حکم کرے۔

ان تمام اسلامی ہدایات سے جو اوپر مذکور ہوئیں، انسان کو دو بڑی اعلیٰ درجہ کی مفید باتیں حاصل ہوئیں جو اسلام سے پیشتر حرام خیال کی جاتی تھیں۔ ایک ارادہ کا استقلال اور دوسرے رائے کی آزادی اور انھیں سے انسانیت کی تکمیل ہوئی اور انسان کو اپنے تمام فطری کمالات حاصل کرنے کی قابلیت ہوئی۔ یورپ کے بعض علماء متاخرین کا قول ہے کہ یورپ میں تمدن اور شایستگی کی بنیاد انھیں دو اصول پر قایم ہوئی ہے۔ انسانی نفوس کام کرنے اور انسانی عقول غور وفکر کرنے پر اُس وقت مستعد ہوئیں جبکہ اکثر اشخاص کو اپنی قدر وقیمت معلوم ہوگئی اور یہ سمجھ گئے کہ حقایق اور معارف کی تلاش اور جستجو میں اپنی عقل سے کام لینے کا اُن کو اختیار حاصل ہے۔ اور یہ مفید خیال ان کو سولھویں صدی عیسوی میں پیدا ہوا۔ حکیم مذکور نے اس بات کا بھی اقرار کیا ہے کہ یورپ کو اُس وقت یہ روشنی محض اسلامی علوم کے غور سے حاصل ہوئی تھی۔

مذہبی پیشواؤں نے عام دین داروں کو آسمانی کتابوں کے سمجھانے اور اُن کے معانی ومطالب پر غور کرنے کی ممانعت کردی تھی مذہب اسلام نے اس کو باطل کیا۔ اُنھوں نے عام لوگوں کو آسمانی کتابوں کی تلاوت کی اجازت دی تھی مگر اس کے ساتھ یہ بھی شرط لگی ہوئی تھی کہ صرف الفاظ کو پڑھیں اور مطالب پر

غور نہ کریں۔ اُن کے مقاصد اور مطالب پر غور کرنے کا منصب خاص انھوں نے اپنے ہی لئے رکھا تھا مگر اس کے بعد خود بھی سمجھ بوجھ سے محروم ہو گئے۔ اُنھوں نے صاف طور سے اقرار کیا کہ ہماری عقلیں شریعت اور علوم انبیا کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ صرف عبادت کے طور پر الفاظ کی تلاوت کافی ہی۔ غرضکہ آسمانی کتابوں کے نازل ہونے اور انبیا کے مبعوث ہونے میں جو حکمت تھی اُس کو اُنھوں نے غارت کر دیا۔ قرآن مجید مذہبی پیشواؤں کے اس کام کی مذمت کرتا ہی اور کہتا ہے کہ

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ۔ مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا۔ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿﴾

بعض ان میں ان پڑھ ہیں جو مُنہ سے لفظوں کے بڑبڑا لینے کے سوا کتاب الٰہی کے مطلب کو کچھ بھی نہیں سمجھتے اور وہ صرف خیالی تکّے چلایا کرتے ہیں۔ جن لوگوں کے سر پر توریت لادی گئی پھر اس پر کاربند نہ ہوئے ان کی مثال گدھے کی مثال ہی جس پر کتابیں لدی ہیں۔ جو لوگ خدا کی آیتوں کو جھٹلایا کرتے ہیں ان کی بھی کیا ہی بُری کہاوت ہی۔ اور اللہ بے انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

مذہب اسلام نے فرض کیا ہی کہ ہر ایک دین دار آسمانی کتابوں اور شرعی مسائل کے سمجھنے میں حصّہ لے اور اس خاص امر میں سب دین دار اور پیر و برابر ہیں۔ معمولی ذرایع فہم کے سوا جو اکثر لوگوں کو سہولت کے ساتھ حاصل ہو سکتے ہیں کوئی شرط نہیں لگائی اور نہ کسی طبقہ کو اس کام کے لیے مخصوص کیا۔

اسلام کی روشنی ایسے وقت میں ظاہر ہوئی جبکہ لوگوں نے مختلف مذہبی فرقے قایم کر رکھے تھے، جو باہم لڑتے جھگڑتے اور ایک دوسرے کو لعنت کرتے تھے اور اُس کو اعلیٰ درجہ کی خدا پرستی اور دین داری خیال کرتے تھے۔ اسلام نے اُس کا انکار کیا اور صاف طور پر بیان کیا کہ سچّا مذہب ہر زمانہ میں اور تمام نبیوں کی زبان پر ایک رہا ہی۔ خدا فرماتا ہی کہ

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ۔ مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَ

دینِ حق تو خدا کے نزدیک یہی اسلام ہی اور اہل کتاب (یعنی یہود و نصاریٰ) نے جو دین حق سے مخالفت کی تو حق بات معلوم ہونے کے بعد کی اور آپس کی ضد سے کی۔ اور جو شخص خدا کی آیتوں سے منکر ہو تو اللہ کو اُس سے حساب لیتے کچھ دیر نہیں لگتی۔ ابراہیم نہ یہود تھے اور نہ نصرانی بلکہ سیدھا ہو فرمان بردار بندہ تھے اور مشرکوں سے بھی نہ تھے۔ اے لوگو!! اُس نے تمہارے لئے دین کا وہی رستہ ٹھیرایا

وَصَّیْنَا بِهٖ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰی اَنْ
اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ کَبُرَ عَلَی
الْمُشْرِکِیْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَیْهِ - قُلْ یَا اَهْلَ
الْکِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ
اَنْ لَا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِکَ بِهٖ شَیْئًا
وَلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ
اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ

جس پر چلنے کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا۔ اور اے پیغمبر! تمہاری
طرف بھی ہم نے اسی رستہ کی وحی کی ہی۔ اور اُس کا ہم نے ابراہیم اور
موسیٰ وعیسیٰ کو بھی حکم دیا تھا کہ اس دین کو قایم رکھنا اور اُس میں
تفرقہ نہ ڈالنا۔ جس دین پر تم مشرکین کو بلاتے ہو وہ ان پر بہت
شاق گذرتا ہی۔ اے پیغمبر! ان سے کہو کہ اے اہل کتاب آؤ ایسی
بات کی طرف رجوع کرو جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں مانی
جاتی ہی کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور کسی چیز کو اُس کا
شریک نہ ٹھیرائیں اور اللہ کے سوا ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا مالک نہ سمجھے پھر اگر ایسی سیدھی سچی بات کے ماننے سے بھی
مُنہ موڑیں تو اُن سے کہدو کہ تم گواہ رہو کہ ہم تو ایک ہی خدا کو مانتے ہیں"

اس قسم کی بہت سی آیات قرآن مجید میں وارد ہوئی ہیں جن کا اس مقام پر جمع کرنا موجب طوالت ہوگا۔ قرآن شریف نے تصریح کر دی ہی کہ ہر ایک زمانہ میں مذہب حق یہی رہا ہی کہ خدا ایک ہی اور وہی قابل اطاعت و فرماں برداری ہے۔ جو کچھ اُس نے حکم دیا ہی یا ممانعت فرمائی وہ صرف انسانی مصلحتوں اور انسان کے فائدے کے لئے ہی اور اُن کے واسطے موجب سعادت اور باعث نجات ہی۔

گذشتہ اور موجودہ مذاہب میں اگر کچھ اختلاف ہی تو وہ عبادات کی شکلوں اور صورتوں میں ہے، اور جہاں کہیں احکام میں اختلاف ہی تو یہ خدا کی رحمت اور مہربانی ہی کہ ہر ایک قوم کو ہر ایک زمانہ میں ایسا حکم دیا ہی جس میں زمانہ کے لحاظ سے اُس قوم کی بہتری اور بہبودی ہو۔ اسی طرح انسانی افراد کی تربیت میں عادت اللہ جاری ہی یعنی جبکہ انسان اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہی تو وہ نہ کچھ جانتا ہی، نہ سمجھتا ہی، نہ بول سکتا ہے مگر بتدریج آہستہ آہستہ اُس کی عقلی اور دماغی قوتیں ترقی کر کے درجۂ کمال کو پہنچتی ہیں۔ پس جس طرح افراد کی تربیت میں عادت اللہ جاری ہی اسی طرح نوع کی تربیت میں ہونا چاہیئے۔ اور یہ ایسی بدیہی بات ہی جس میں اختلاف کی بالکل گنجایش نہیں۔

گذشتہ مذاہب دنیا میں ایسے وقت میں آئے جبکہ لوگ اپنی عام مصلحتوں اور خاص فائدوں کے سمجھنے کے لحاظ سے بالکل بچپن کی حالت میں تھے۔ وہ محسوسات کے سوا کچھ نہ جانتے تھے وہ صرف اپنے جسم کے قایم رکھنے میں مصروف تھے اور اپنے ابنار جنس اور اپنے خاندان کی محبت کے خیال سے بالکل بے بہرہ تھے۔ ایسی حالت میں

حکمت کے خلاف تھا کہ ان سے باریک باتوں سے یا جن کے لئے دلیل کی ضرورت ہی خطاب کیا جاتا بلکہ یہ خدا کی بڑی رحمت تھی کہ ان اقوام کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا گیا جیسا کہ باپ اپنے کم سن اور ناسمجھ بیٹے کے ساتھ کرتا ہی - کیونکہ وہ اُس کے سامنے ایسی ہی چیزیں لاتا اور بیان کرتا ہے، جن کا آنکھوں سے دیکھنا یا کانوں سے سننا ممکن ہو - غرض کہ اس اصول کے موافق اُن پر ایسی عبادات فرض کیں جو اُن کے حالات کے مناسب اور اُن کی استطاعت کے موافق تھیں - اور اُن پر ایسی آیات بینات نازل فرمائیں جو اُن کی آنکھوں کو بھلی معلوم ہوتی اور ان کے خیالات اور جذبات پر اثر کرتی تھیں -

اس کے بعد قوموں نے سالہا سال کی مدت ہائے دراز میں ترقی و تنزل، عروج و زوال، پستی و بلندی، اور اختلاف و اتفاق کی بیشمار منزلیں طے کیں اور مختلف حادثات اور گردوپیش کے حالات اور متواتر تجربوں سے اُن کو ایک ایسا شعور حاصل ہو گیا جو حس سے زیادہ باریک اور نازک اور وجدان سے زیادہ تعلق رکھنے والا تھا - مگر تاہم یہ شعور بلحاظ اپنی مجموعی حالت کے عورتوں کے تخیلات اور نوجوان لڑکوں کے جذبات سے کچھ زیادہ اونچا اور قابل وقعت نہ تھا - پس اس وقت دنیا پر ایسا دین نازل کیا گیا جس نے مہربانیوں اور شفقتوں کو پکارا اور خواہشات اور جذبات کو روکا اور اُن کے دلوں کے خطرات سے ہم کلام ہوا - اُس نے لوگوں کے واسطے اتقا اور پرہیزگاری کے ایسے قوانین بنائے جو دنیا سے بالکل نفرت دلانے والے اور عالم ملکوت کی طرف مائل کرنے والے تھے - اُس نے ہدایت کی کہ کوئی حقدار اپنے حق کا مطالبہ نہ کرے، اگرچہ واجبی ہو - اُسنے مالداروں اور دولتمندوں پر آسمان کے دروازے بند کر دئے - اسکے علاوہ اور بہتسے اخلاقی مسائل کی تعلیم دی جو مشہور معروف ہی - طاعات اور عبادات کے اُن کو ایسے طریقے بتلائے جو اُن کے موجودہ طریقوں سے ملتے جلتے تھے - اس مذہب کی دعوت نے لوگوں کے دلوں پر اپنا اثر کر کے قوموں کے امراض کا علاج کیا اور ان کے اخلاق کی اصلاح کی مگر اس پر چند صدیاں بھی نہ گذری تھیں کہ انسانی ہمتیں ان سخت قوانین کی برداشت کرنے اور ان پر عمل درآمد کرنے سے عاجز ہو گئیں اور رفتہ رفتہ یہ بات ذہن نشین ہو گئی کہ اس مذہب کی وصیتوں کی پیروی اور اُس کے احکام کی تعمیل کرنا سراسر محال اور بالکل ناممکن ہی - آخر کار اُس کے پیرو شان و شوکت حاصل کرنے اور مال و دولت جمع کرنے پر جھک پڑے اور اُن کی بڑی جماعت تاویل کا حیلہ

کر کے مذہب کی معمولی شاہراہ سے بہت دور جا پڑی۔ اور بہت سے لغویات اور خرافات کو مذہبی لباس پہنا کر مذہب میں داخل کر لیا۔ طہارت اور پاکیزگی کو فراموش کر ڈالا۔ یہ حالت تھی اُن کی اخلاق اور اعمال کے لحاظ سے۔ اور عقائد کے اعتبار سے بھی اُن کے مختلف گروہ اور فرقہ قائم ہو گئے۔ طرح طرح کی بدعتیں ایجاد کر کے اس کے مسلمہ اصول اور ضروری ارکان کو بدل ڈالا اور سب سے بڑا رکن اس بات کو قرار دیا کہ مذہبی اصول اور مذہبی عقائد میں غور و فکر کرنا اور اُن کے اسرار اور باریکیوں کو سمجھنا عقل کی طاقت سے بالاتر ہے۔ بلکہ مصنوعات اور مخلوقات کے رموز میں خوض کرنا بھی عقل کا کام نہیں۔ اُنھوں نے صراحت کے ساتھ بیان کر دیا کہ علم اور مذہب میں ایسی سخت دشمنی اور عداوت ہے کہ کسی طرح باہم اتحاد اور اتفاق نہیں ہو سکتا۔ ان خیالات کے ماننے والوں نے صرف اسی بات پر اکتفا نہیں کی کہ وہ خود اُن کو تسلیم کریں بلکہ انھوں نے عام لوگوں کو ان عقائد کے تسلیم کرنے پر مجبور کیا اور اپنی ہر قسم کی قوتیں اس کام میں صرف کیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذہبی گروہوں میں ایسے جھگڑے اور فساد برپا ہو گئے جو نوع انسان کے لئے نہایت منحوس اور برباد کرنے والے تھے۔ مخالفت اور عداوت کی آگ بھڑک اٹھی، محبت اور الفت کے تعلقات بالکل قطع ہو گئے۔ غرضکہ مذہبی گروہوں کے باہم لڑنے جھگڑنے اور ایک دوسرے کے الزام دینے میں یہی حالت تھی کہ اسلام کی روشنی نے دنیا میں طلوع کیا۔

اس وقت اجتماع انسانی یا تمدن کی عمر کسی قدر زیادہ ہو گئی تھی اور اُس کے جوڑ بند زیادہ مضبوط اور مستحکم ہو گئے تھے اور گذشتہ حادثات اور واقعات کے تجربوں نے انسان کو رہنمائی کر کے صراط مستقیم کیلئے آمادہ اور تیار کر دیا تھا۔ پس مذہب اسلام نے آکر عقل و فہم کو خطاب کیا اور انسان کیلئے دینی اور دنیوی بہتری اور بہبودی حاصل کرنے میں اُن کو احساس اور خیالات کا شریک بنایا۔ جن مسائل میں باہمی مخالفت اور مخاصمت ہو رہی تھی اُن کو سلجھایا اور صحت کے ساتھ بیان کیا۔ اور اس بات پر بہت سے دلائل اور براہین قائم کئے کہ مذہب حق تمام نسلوں اور تمام صدیوں میں ایک ہی رہا ہے اور خدا کی مشیت لوگوں کے حالات کے درست کرنے اور ان کے دلوں کے پاک صاف کرنے میں ہمیشہ یکساں رہی ہے۔ اس نے صاف طور پر بتا دیا کہ اعضائے جسمانی پر ظاہری عبادات کی تکالیف صرف اس لئے فرض کی گئی ہیں کہ قوائے روحانی میں خدا کی یاد اور اُس کے ذکر و فکر کی ہمیشہ اور ہر وقت تجدید ہوتی رہے۔ اور یہ کہ خدائے تعالیٰ تمہاری صورتوں اور شکلوں کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور تمہاری نیتوں کو دیکھتا ہے۔ اس نے ہر ایک مکلف پر جسمانی اور روحانی

نظافت اور ظاہری و باطنی پاکیزگی کو واجب کیا اور اخلاص کو عبادت کی روح قرار دیا۔ چونکہ اُس نے نیک اخلاق و عادات اور اعلیٰ درجہ کی صفات کے ساتھ متصف ہونا واجب اور لازم کیا ہی اس لئے اُن کے مناسب ظاہری اعمال و عبادات فرض کئے ہیں جو عمدہ اخلاق اور پاکیزہ صفات حاصل ہونے کا ذریعہ ہیں۔ خدا فرماتا ہے کہ

انّ الصّلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر ان الانسان خلق ھلوعا اذا مسہ الشر جزوعا واذا مسہ الخیر منوعا الا المصلین الذین ھم علیٰ صلاتھم دائمون	"کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی کے کاموں اور ناشائستہ حرکتوں سے روکتی ہے۔ بیشک آدمی بڑا ہی تھڑدلا پیدا کیا گیا ہے جب اسکو کسی طرح کا نقصان پہونچتا ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور جب کسی طرح کا فائدہ پہونچتا ہے تو بخل کرنے لگتا ہے مگر ان لوگوں کا ایسا حال نہیں ہے جو نماز گذار ہیں اور اپنی نماز کو ناغہ نہیں ہونے دیتے"

اسلام نے شکر گذار دولتمندوں کو درجات اُخروی کے لحاظ سے صبر کرنے والے فقیروں کی برابر ٹھہرایا ہے بلکہ اکثر اوقات ان پر ترجیح دی ہے اور اپنے وعظوں اور نصیحتوں میں انسان کے ساتھ اس طرح معاملہ کیا ہے جس طرح کوئی ہدایت کرنے والا سمجھدار اور عقلمند آدمی کے ساتھ کرتا ہے۔ اُس کو تمام ظاہری اور باطنی قوتوں کے استعمال کرنے کی تاکید کی ہے اور صاف طور پر بیان کیا ہی (جس میں تاویل کی گنجایش نہیں) کہ یہی خدا کی نعمتوں کی شکر گذاری اور اسی میں اُس کی رضامندی ہے۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہی۔ دنیا کی بہبودی اور بہتری میں کوشش کرنے کے بغیر آیندہ زندگی کی بھلائی کسی طرح حاصل نہیں ہوسکتی۔

اسلام نے اہل عناد کی طرف التفات کر کے اُن سے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل بیان کرو۔ نزاع اور جھگڑا کرنے والے جنھوں نے یقین کے اصول کو سست اور کمزور کر دیا تھا اُن کو ملامت کی اور صراحت کے ساتھ بیان کیا کہ متفرق ہونا اور مختلف فرقے قائم کرنا بالکل بغاوت اور سراسر بے دینی اور الحادہی۔ مذہب اسلام نے اتحاد و اتفاق قائم کرنے کے لئے صرف وعظ و نصیحت ہی پر اکتفا نہیں کی، بلکہ شریعت میں عملی طور پر اُس کو مقرر کیا۔ اُس نے ہر ایک مسلمان کو اجازت دی کہ وہ اہل کتاب کے ساتھ نکاح کرسکتا ہی اُن کے ساتھ کھانے پینے میں شریک ہوسکتا ہے۔ اُس نے حکم دیا کہ اگر تم اہل کتاب سے مناظرہ یا مباحثہ کرو تو نہایت تہذیب اور شائستگی سے کرو۔ مذہب اسلام مسلمانوں کو تاکید کرتا ہے کہ اُن غیر مذہب والوں کی جو اُن کی پناہ میں داخل ہوں ایسی ہی حمایت اور حفاظت کریں جیسے کہ وہ اپنی کرسکتے ہیں۔

اُن کے حقوق اور فرائض بالکل مسلمانوں کے مساوی ہیں اور اُن تمام رعایتوں کے بدلے میں اُن پر صرف ایک خفیف سی رقم عاید کی جس کو وہ اپنے مال میں سے ادا کرتے رہیں۔ اس کے بعد کسی مسلمان کو حق نہیں کہ وہ کسی ذمی کو مسلمان ہونے کے لئے مجبور کرے۔ قرآن مجید میں مسلمانوں کو اسطرح تسلی دی گئی ہے کہ

یا ایہا الذین امنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم "اے مسلمانوں! تم اپنی خبر رکھو جب تم راہ راست پر ہو تو کوئی بھی گمراہ ہوا کرے اُس کا گمراہ ہونا تم کو کچھ نقصان نہیں پہونچا سکتا"

پس مسلمانوں کو صرف اس قدر اجازت ہے کہ نہایت تہذیب اور شائستگی کے ساتھ اُن کو بھلائی کی طرف دعوت کریں، مگر اس بات کا اُن کو بالکل حق نہیں کہ وہ اسلام کی طرف دعوت کرنے میں کسی قسم کی قوت کا استعمال کریں، کیونکہ خود اسلام کے نور میں قابلیت ہے کہ وہ غفلت کے پردوں کو پھاڑ کر دلوں میں سرایت کر جائے۔

مذہب اسلام نے اُس قومی اور ملکی اور خاندانی امتیاز کو باطل کیا جو انسانی نسلوں میں پیدا ہو گیا تھا۔ اُس نے قرار دیا کہ تمام انسان خواہ وہ کسی ملک کے رہنے والے کسی قوم یا خاندان کے ہوں مساوی طور پر خدائے وحدہٗ لاشریک کے بندے اور اُس کی مخلوق ہیں۔ تمام اشخاص بلاخصوصیت ایک ہی نوع انسانی کے افراد ہیں۔ جنس و فصل اور خاصہ کے لحاظ سے اُن میں کسی قسم کا اختلاف نہیں۔ ہر ایک فرد میں یہ استعداد اور قابلیت ودیعت کی گئی ہے کہ وہ اُن کمالات کے اعلیٰ درجہ پر پہونچ جائے جو نوع انسان کے لئے مخصوص ہیں۔ یہ اُن باطل اوہام کی تردید ہے جو بعض مدعی اپنی ذات یا اپنی قوم میں ایسی فضیلتیں اور خصوصیتیں خیال کرتے تھے جن سے دوسرے اشخاص یا دوسری قومیں محروم ہیں۔ اُن کے اس چھوٹے خیال نے بڑی بڑی قوموں کی عقلی اور دماغی قوتوں کو فنا کر کے اُن کو پستی اور تنزل کے انتہائی درجہ پر پہونچا دیا تھا۔

مذہب اسلام کی عبادتیں جیسی کہ قرآن مجید اور صحیح حدیثوں میں مذکور ہیں ایسے اعمال اور اقوال ہیں جو خدا کی عزت اور جلال اور اس کی عظمت اور بزرگی کے لئے شایاں اور اُس کی تنزیہ اور تقدیس کے لئے سزاوار ہیں۔ پس رکوع و سجود، حرکت اور سکون، دعا اور تضرع، تسبیح اور تکبیر، جو نماز کے ارکان ہیں خدا کی عظمت اور جبروت کے تصور سے جو تمام انسانی قوتوں سے بالاتر ہے اور اُن پر محیط ہے، صادر ہوتے ہیں اور دلوں میں اُس ذات پاک کے سامنے خشوع اور خضوع، انکسار اور فروتنی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اِن ارکان میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو عقل سے خارج ہو۔ حتیٰ کہ رکعتوں کی تعداد مقرر کرنا اور کنکریاں

پھینکنا ہی ایسی باتیں ہیں جن میں خدا کی حکمت کا تسلیم کرنا کچھ دشوار نہیں۔ اور ان کا بظاہر عبث اور بیکار ہونا ان اصول میں رخنہ انداز نہیں ہوسکتا جو خدا نے عقل کے واسطے غور و فکر کرنے کے لئے قرار دئے ہیں۔ روزہ ایک عبادت ہے جس سے دلوں میں خدا کے حکم کی عظمت زیادہ ہوتی ہے اور اُس کے احسانات اور اُس کی نعمتوں کی قدر معلوم ہوتی ہے، جس سے دلوں میں اُس کی فرماں برداری اور شکر گذاری کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ

یاایہاالذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون

"اے مسلمانو! جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر روزہ رکھنا فرض تھا اسی طرح تم پر بھی فرض کیا گیا تاکہ تم بہت سے گناہوں سے بچو۔"

حج کے ارکان سے یہ غرض ہے کہ جو چیز انسان کی ضروریات میں سب سے زیادہ مقدم ہے اُس کی یاد دلائی جاوے۔ اور کم از کم تمام عمر میں ایک دفعہ افراد انسانی کی مساوات کو آنکھوں سے دکھلایا جائے جہاں قومی اور ملکی امتیاز اور عارضی خصوصیتیں بالکل الگ تھلگ رہیں اور تمام مسلمان امیر غریب، ادنیٰ اعلیٰ، اپنی مصنوعی آرائش سے مجرد ہو کر ایک حالت، ایک ہیئت، اور ایک لباس میں ظاہر ہوں اور ایک ساتھ طواف اور سعی وغیرہ ارکان حج ادا کریں۔ حجر اسود کو بوسہ دیں۔ حجر اسود حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی یادگار ہے جو ہمارے مذہب کے بانی تھے اور جنھوں نے ہمارا نام مسلمان رکھا ہے۔ مگر ہر وقت اس امر کا بھی دھیان رکھیں کہ ان قدیم یادگاروں اور پرانے تبرکات میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو کسی کو نفع نقصان پہونچانے والی ہو۔ اور ہر ایک رکن کے ادا کرنے کی حالت میں اپنے اس پاکیزہ اور موحدانہ خیال کا اظہار ان لفظوں میں کرتے رہیں۔ "اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد"۔ دوسری قوموں کی عبادتوں میں یہ باتیں کہاں ہیں بلکہ ان کے اکثر طریقے عقل سے خارج اور فہم سے بالاتر ہیں۔

حوادث عالم سے جو اوہام انسانی عقول پر طاری ہو رہے تھے اسلام نے ان کو رفع کیا اور قرار دیا کہ دنیا میں جو حادثات اور واقعات ظاہر ہوتے ہیں وہ اُن قوانین قدرت کے موافق ہوتے ہیں جو اُس کے علم ازلی میں مقرر ہو چکے ہیں اور جن میں کسی طرح کا تغیر تبدل نہیں ہوسکتا۔ مگر یہ بھی مناسب نہیں کہ انسان خدا سے غافل ہو جائے اور اُس کو بھول جائے۔ بلکہ جب کوئی حادثہ یا واقعہ دیکھے تو خدا کو یاد کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

ان الشمس والقمر آیتان من آیات اللہ لا ینخسفان

"چاند اور سورج دونوں خدا کی نشانیوں میں سے ہیں کسی کے مرنے

الموت احد ولا لحیاته فاذا — اور جینے سے ان میں کسوف وخسوف واقع نہیں ہوتا پس اگر تم ایسا دیکھو
رأیتم ذلک فاذکروا اللہ — تو خدا کو یاد کرو۔"

اس حدیث میں صاف طور پر اس بات کی تصریح کی گئی ہے کہ حوادث عالم کسی کے مرنے یا جینے یا اور خارجی اسباب سے واقع نہیں ہوتے بلکہ وہ قانون قدرت اور خدا کی مرضی کے موافق واقع ہوتے ہیں۔ اس کے بعد اسلام نے انسان کی ان دونوں حالتوں کو بیان کیا ہے جو خوشحالی اور فارغ البالی یا مصیبت اور تکلیف میں ہوتی ہیں۔ اور ان دونوں حالتوں کو اس طرح جدا کر دیا ہے کہ اُن میں خلط ملط ہونے کی گنجایش نہیں رہی ۔ جو نعمتیں خدا تعالےٰ اپنے بعض بندوں کو اس دنیوی زندگی میں عطا کرتا ہی یا جو مصیبتیں ان پر نازل فرماتا ہے، وہ بیشمار ہیں۔ منجملہ ان کے مال و دولت، جاہ و ثروت، قوت و شوکت، آل اور اولاد، فقر و فاقہ، ذلت و افلاس، وغیرہ وغیرہ ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان نعمتوں کے عطا ہونے یا مصیبتوں کے نازل ہونے کا سبب انسان کی ذاتی خصلت جیسی نیک چلنی یا گمراہی، فرمانبرداری یا نافرمانی نہیں ہوتی ۔ مثلاً کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک عرصہ تک خدا تعالیٰ نافرمان سرکشوں، فاسقوں اور بدکاروں کی باگ ڈھیلی کر دیتا ہے اور اُن کو بیشمار دنیوی نعمتیں عطا کرتا ہے اور اُس عذاب تک جو آیندہ زندگی میں ان کے لئے مہیا کیا ہے ان کو مہلت دیتا ہے۔ اسی طرح خدا اپنے بعض نیک بندوں کا امتحان اور اُن کی آزمائش کرتا ہے۔ جو نیک بندے خدا کی آزمائشوں پر صبر و شکر کرتے ہیں ان کی ثنا و صفت قرآن مجید میں اس طرح کی گئی ہے کہ

الَّذِینَ اِذَآ اَصَابَتھُم — "یہ لوگ جب ان پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو بول اُٹھتے ہیں کہ ہم
مُّصِیبَۃٌ قَالُوٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ — تو اللہ ہی کے لئے ہیں جس حال میں رکھے اور ہم اسی کی طرف
اِلَیہِ رَاجِعُون — لوٹ کر جانے والے ہیں"۔

پس اس قسم کی نعمتوں یا مصیبتوں میں کسی کی رضامندی یا ناراضی، نیک چلنی یا بدکاری کو کچھ دخل نہیں ہوتا۔ ہاں صرف اُن نعمتوں اور مصیبتوں میں دخل ہوتا ہی جن کے ساتھ اعمال کو سببیت کا تعلق ہوتا ہے۔ جیسے فقر اور فضول خرچی، ذلت اور نامردی، سلطنت کی تباہی اور ظلم میں تعلق ہی۔ یا جیسے غالباً ثروت کو حسن تدبیر اور عزت کو خودداری کے ساتھ تعلق ہی۔

اس وقت جو کچھ ہم نے بیان کیا ہی وہ اشخاص کی حالت ہی لیکن قوموں کی حالت ایسی نہیں سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ قوموں

کی زندگی اور اُن کی دنیوی سعادت اور بہبودی کا سبب صرف وہ روح ہے جس میں خدا نے غور و فکر کی صحت کرنے، جذبات کو دبانے، خواہشات کو روکنے، ہر ایک کام اور مقصد کے لئے اُس کے مناسب تدبیر کرنے، باہمی محبت اور اخوت قائم رکھنے، امانت داری اور عام خیر خواہی پر ثابت قدم رہنے کی طاقت ودیعت کی ہے۔ کسی قوم میں جب تک یہ روح باقی رہتی ہے اُس وقت تک اُس کی نعمت زائل نہیں ہوتی ہاں جس قدر یہ روح قوی ہوتی جاتی ہے اسی قدر نعمتیں بڑھتی جاتی ہیں اور جس قدر یہ روح سُست اور کمزور ہوتی جاتی ہے اسی قدر خدا کی نعمتیں گھٹتی جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ جس منحوس وقت میں یہ روح قوم سے جدا ہوتی ہے تو مروت و ثروت، شان شوکت، آرام راحت، عزت عظمت، تمام چیزیں اس کے ساتھ ہی رخصت ہو جاتی ہیں اور سوائے ذلت خواری، افلاس و ناداری، بدبختی اور ناہنجاری کے کوئی چیز باقی نہیں رہتی اور کوئی ظالم یا عادل قوم اُس پر مسلط ہو جاتی ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ

وَاِذَا اَرَدْنَا اَن نُّهلِكَ قَرْيَةً	"جب ہم کو کسی گانوں کا ہلاک کرنا منظور ہوتا ہے تو اُس کے خوشحال
اَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا	لوگوں کو ایک حکم دیتے ہیں پھر وہ اُس میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں
فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا	جس سے وہ بستی عذاب کی مستحق ہو جاتی ہے پھر ہم اُس بستی کو مار کر
تَدْمِيرًا	تباہ اور برباد کر دیتے ہیں"۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اُن کو نیک اور اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں مگر وہ اُن کو چھوڑ کر بدکاریوں اور ناہنجاریوں کی طرف جھک پڑتے ہیں اور اپنی بداعمالیوں کے سبب سے ہلاک اور برباد ہوتے ہیں پھر نہ ان کو رونے اور چلانے سے کچھ نفع پہونچتا ہے اور نہ اُن کے اعمال اور کاموں کی صورتیں جو باقی رہ جاتی ہیں اُن کو فائدہ دیتی ہیں اور نہ ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ غرضکہ اُن کی حالت ایسی ہو جاتی ہے کہ کوئی چیز اُن کی اس مصیبت کو دفع نہیں کر سکتی مگر یہ کہ وہ اُسی روح کی طرف التجا کریں اور صبر شکر ذکر فکر کے قاصد بھیجکر اُسکو بلاویں۔ خدا فرماتا ہے کہ

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا	"خدا کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلے
مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي	جو لوگ پہلے گذرے ہیں اُن میں بھی خدا کا یہی دستور رہا ہے اور
الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ	تم خدا کے دستور میں ہرگز کسی طرح کا تغیر و تبدل نہ پاؤگے"۔
لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا	

قرآن شریف میں علم کے سیکھنے اور سکھانے اور عام لوگوں کو رہنمائی کرنے، اچھے کاموں کا حکم دینے،

بری باتوں سے روکنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ لکھا ہے کہ

فلولا نفر من کل فرقة منھم طایفة لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون

"ایسا کیوں نہیں کیا کہ مسلمانوں کی ہر ایک جماعت میں سے کچھ لوگ اپنے گھروں سے نکلے ہوتے کہ دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرتے اور جب سیکھ کر اپنی قوم میں واپس جاتے تو اُن کو خدا کی نافرمانی سے ڈراتے تاکہ وہ لوگ بھی بُرے کاموں سے بچیں"

اس کے بعد دوسری آیت میں بھی یہی حکم دیا گیا ہے یعنی

ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءھم البینات واُولئک لھم عذاب عظیم۔ یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ فاما الذین اسودت وجوھھم اکفرتم بعد ایمانکم فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون۔ واما الذین ابیضت وجوھھم ففی رحمة اللہ ھم فیھا خالدون۔ تلک ایات اللہ نتلوھا علیک بالحق وما اللہ یرید ظلما للعالمین وللہ ما فی السموٰت وما فی الارض والی اللہ ترجع الامور

"تم میں ایک ایسا گروہ بھی ہونا چاہئے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائیں اچھے کام کرنے کو کہیں برے کاموں سے منع کریں اور آخرت میں ایسے ہی لوگ اپنی مراد کو پہونچیں گے۔ اور ایسے نہ بنو جو ایک دوسرے سے بچھڑ گئے اور صاف صاف احکام آئے پیچھے آپس میں اختلاف کرنے لگے اور یہی ہیں جن کو آخرت میں بڑا عذاب ہوگا جس دن کہ بعض لوگوں کے مُنہ سیاہ ہونگے ان سے کہا جائے گا کہ کیا تم ایمان لائے پیچھے کافر ہو گئے تھے تو لو اب اپنے کفر کی سزا میں عذاب کے مزے چکھو۔ اور جن لوگوں کے منہ سفید ہونگے وہ اللہ کی رحمت یعنی بہشت میں ہونگے اور وہ ہمیشہ اُسی میں رہیں گے اے پیغمبر!! یہ ہماری آیتیں ہیں جو ہم جبرئیل کی معرفت تم کو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور اللہ دنیا جہان کے لوگوں پر کسی طرح کا ظلم کرنا نہیں چاہتا اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے سب کچھ اللہ ہی کا ہے اور سب کاموں کی پہونچ آخر کار خدا ہی تک ہے"

اس سخت وعید کے بعد ان لوگوں کا حال بیان کیا ہے جو اچھے کاموں کا حکم دینے والے اور بری باتوں سے روکنے والے ہیں۔ فرمایا ہے کہ

کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون

"لوگوں کی رہنمائی کے لئے جس قدر امتیں پیدا ہوئیں اُن میں سے تم (مسلمان) سب سے بہتر ہو کہ اچھے کام کرنے کو کہتے ہو اور بُرے کاموں سے روکتے ہو

عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ   اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

اس آیت میں اچھے کاموں کے کہنے اور بُرے کاموں سے منع کرنے کو ایمان پر مقدم رکھا ہے حالانکہ ایمان ایسی چیز ہی جس پر تمام نیک کاموں کا مدار ہی۔ یہاں اس کی تقدیم سے یہ غرض ہی کہ اس مقدس فرض کی قدر و منزلت ظاہر کی جائے اور جتلا دیا جائے کہ یہ فرض ایمان کا محافظ ہی۔ اس کے بعد قرآن مجید اُن لوگوں کو ملامت کرتا ہی جو اس فرض سے غافل ہو گئے تھے۔ اور کہتا ہے کہ

لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّ کَانُوْا یَعْتَدُوْنَ۔ کَانُوْا لَا یَتَنَاھَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْہُ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ؀

"بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور مریم کے بیٹے عیسیٰ کی بد دعا سے پھٹکار پڑی یہ پھٹکار اُن پر اس سے پڑی کہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے بڑھتے جاتے تھے۔ جو کام ایک بار کر بیٹھتے تھے اس سے باز نہ آتے تھے البتہ بہت ہی بُرے فعل تھے جو وہ لوگ کیا کرتے تھے۔"

مذہب اسلام نے فقیروں کے لئے تونگروں اور دولت مندوں پر ایک خفیف سی رقم مقرر کی ہے جس کا ادا کرنا ہر ایک صاحب نصاب پر واجب کیا ہے۔ یہ رقم فقیروں اور محتاجوں کی دست گیری، قرضداروں کی رہائی، غلاموں کی آزادی اور مسافروں کی امداد میں صرف ہونی چاہیے اس فرض کے علاوہ خیرات اور صدقات کی بے انتہا ترغیب دی گئی ہے اور اکثر جگہ اُس کو ایمان کا عنوان اور ہدایت کی دلیل کہا گیا ہی۔ اس سے اہل فقر و فاقہ کے دلوں کو حسد اور کینے سے پاک صاف کر دیا جو اُن کو تونگروں اور دولت مندوں سے تھا اور بجائے عداوت کے اُن کی محبت دلوں میں پیدا کر دی۔ دولت مندوں کو غریبوں اور محتاجوں پر رحمت اور شفقت کی تعلیم دی۔ اس سے ہر ایک قسم کے اور ہر طبقے کے لوگوں میں جمعیت اور اطمینان کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ امراض تمدن کے واسطے اس سے بہتر اور کیا دوا ہو سکتی تھی۔ یہ خدا کا فضل اور اُس کی مہربانی ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہی۔

مذہب اسلام نے شراب اور قمار بازی کو حرام کر کے شر اور فساد کے سرچشموں کو بند کر دیا جو عقل اور دولت کے لئے تباہی اور بربادی کا باعث تھی۔

قرآن مجید

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طفولیت اور اُن کے اُمی ہونے کا حال جو ہم بیان کر چکے ہیں ہم کو ایسے متواتر طریقے سے معلوم ہوا کہ جس میں ذرا بھی شک کرنے کی مجال نہیں۔ دنیا کی وہ تمام قومیں جو تاریخ اسلام سے آگاہ ہیں اس خبر کو بطور تواتر کے بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک کتاب تھی جس کی نسبت وہ دعویٰ کرتے تھے کہ یہ مجھ پر خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے اور وہ کتاب قرآن مجید ہے جو مصحف کی شکل میں لکھا گیا ہے اور جو مسلمان حافظوں کے سینوں میں آج تک محفوظ ہے

اس کتاب میں گذشتہ قوموں کے ایسے حالات اور واقعات بیان کئے گئے ہیں جو موجودہ اور آیندہ نسلوں کے لئے عبرت انگیز ہیں۔ اس میں صحیح صحیح واقعات کو بیان کر دیا ہے اور جھوٹے قصوں اور بے سروپا افسانوں کو جو ادہام نے اُن کے ساتھ شامل کرلئے تھے چھوڑ دیا ہے اور اُن سے عبرت حاصل کرنے کے لئے "متنبہ" کیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے تاریخی حالات اور اُن معاملات کو جو اُن کو اپنی قوموں کے ساتھ پیش آئے ذکر کیا ہے۔ اور اُن تمام جھوٹے اتہاموں کی تردید کی ہے جو اُن کی رسالت اور نبوت کے ماننے والوں اور اُن کے مذہب کے پیروں نے اُن کے ذمّہ لگا رکھے تھے۔ مختلف مذہبوں اور ملتوں کے علماء سے جنھوں نے اپنے مذہبی عقائد اور احکام کو نئی نئی بدعتوں کے ساتھ خلط ملط کر کے فاسد کر دیا تھا اور آسمانی کتابوں میں تاویل کرکے تغیر و تبدل کر دیا تھا، مواخذہ اور باز پرس کی اور ایسے آئین اور قوانین بنائے جو تمام انسانی افراد کی مصلحتوں پر پورے طور پر منطبق ہیں۔ جب تک اُن قوانین اور احکام کی پابندی کی گئی اور اُن پر عمل رکھا گیا تو بہترین نتائج ظاہر ہوئے اور عدل و انصاف کی بُنیاد اُن کے ذریعہ سے مستحکم طور پر قائم ہوئی اور جو لوگ اُس کی مقررہ حدود پر قایم رہے اُن کی قسمت کا ستارہ برتری اور عروج کے آسمان پر چمکتا رہا اور جب اُن قوانین کی پابندی چھوڑ دی اور اُن سے منحرف ہو گئے تو سخت نقصان پہنچا غرضکہ اس لحاظ سے وہ اُن تمام قوانین سے بہتر ہیں جن کو قوموں نے سالہا سال کے تجربہ کے بعد وضع کیا ہے۔

قرآن مجید ایسے زمانہ میں نازل ہوا جس کی نسبت تمام راویوں کا اتفاق ہے اور متواتر خبروں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ عرب کی تاریخ میں فصاحت اور بلاغت کے لحاظ سے بہت ہی اعلیٰ درجہ کا زمانہ تھا۔

اُس وقت جزیرہ عرب میں فصیحوں، بلیغوں، شاعروں اور خطیبوں کی ایک جماعت کثیر موجود تھی جو پہلے کبھی نہیں ہوئی۔ ان میں سے ہر شخص اس بات پر مرتا تھا اور اپنی تمام عقلی اور ذہنی قوتوں کو صرف کرتا تھا کہ اُس کا بول بالا رہے اور اُس کا خطبہ یا قصیدہ سب سے بڑھا چڑھا اور مقبول خاص و عام ہو۔ غرض کہ اُس وقت یہی ایک چیز تھی جو اُن کے لئے مایہ الافتخار اور مایۂ ناز تھی۔

اسی طرح ہم کو متواتر طریقہ سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اُن کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معارضہ کرنے اور آپکے دعووں کے باطل کرنے کے لئے ہر قسم کے وسائل بہم پہنچانے کی نہایت حرص اور تمنا تھی۔ ان میں جو لوگ بادشاہ اور حاکم تھے اُن کو اُن کی سلطنت اور حکومت کے غرور نے آپ کی عداوت پر آمادہ کیا تھا۔ جو لوگ خطیب یا شاعر یا انشا پرداز تھے وہ اپنی فصاحت و بلاغت اور جادو بیانی کے نشہ میں اس قدر متوالے ہو رہے تھے کہ نہایت تکبر کے ساتھ آپ کی متابعت اور پیروی سے ناک چڑھاتے تھے۔ ان تمام لوگوں نے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو اپنی توہین اور کسر شان سمجھتے تھے اپنے آبائی مذہب کی حمیت کے جوش میں آکر اپنی پوری قوت کے ساتھ آپ کا مقابلہ کیا۔ مگر باوجود اس کے آپ ہمیشہ اُن کی رائے کی غلطی اور اُن کی عقل کی سفاہت ظاہر کرتے اور اُن کے بتوں کی توہین اور تحقیر کرتے تھے اور اُن کو ایسی باتوں کی طرف دعوت کرتے تھے جن سے اُن کے کان محض ناآشنا تھے اور ان تمام اُمور میں آپ کی صرف یہ دلیل تھی کہ قرآن مجید کی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت کی برابر کوئی کلام بنالاؤ جو فصاحت و بلاغت اور پاکیزگی مضامین کے لحاظ سے اُس کے ساتھ مناسبت اور مشابہت رکھتا ہو۔ اُن میں اس قدر استطاعت تھی کہ وہ عرب کے فاضلوں فصیحوں اور بلیغوں کو جمع کرتے اور آپ کی اس حجت کے باطل کرنے اور آپ کو ساکت کرنے کی غرض سے قرآن مجید کی مثل کوئی کلام تالیف کرتے۔

ہم کو متواتر طریقہ سے معلوم ہوا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ دعویٰ اور تحدی اور طلب معارضہ عرصہ دراز تک جاری رہا اور عرب کے لوگ بھی اپنی گمراہی اور خود سری پر برابر اڑے رہے۔ مگر تاہم وہ اس باب میں بالکل عاجز اور ناکام رہے اور قرآن مجید کا بول بالا رہا۔ بے شک ایک اُمی شخص کی زبان سے ایسی بے مثل کتاب کا ظاہر ہونا اعلیٰ درجہ کا معجزہ ہے اور اس بات کی یقینی دلیل ہے کہ قرآن مجید آدمی کا بنایا ہوا کلام نہیں ہے بلکہ وہ ایک نور ہے جو علم الٰہی کے آفتاب سے دنیا کے روشن کرنے کے لئے چمکا ہے۔ اور حکم خداوندی ہے جو نبی اُمی صلوات اللہ علیہ کی زبان مبارک پر ظاہر ہوا ہے۔

علاوہ ازیں قرآن مجید میں بہت سی غیب کی خبریں دی گئی ہیں جن کی تصدیق دنیا کے حادثات اور واقعات سے بخوبی ہو چکی ہے۔ مثلاً اس آیت میں خبر دی گئی ہے کہ

غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین ۵	"قریب کے ملک یعنی فارس میں رومی جو نصاریٰ ہیں اہل فارس سے جو آتش پرست ہیں مغلوب ہوگئے ہیں لیکن یہ لوگ اپنے مغلوب ہوئے پیچھے عنقریب چند سال میں پھر اہل فارس پر غالب آجائیں گے۔"

(اس آیت میں خدا نے بتا دیا ہے کہ گو رومی اس وقت مغلوب ہوگئے ہیں مگر وہ چند سال بعد پھر اہل فارس پر فتح پائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہ واقعہ تاریخی پیشین گوئی کا بڑا زبردست معجزہ ہے۔ دو زبردست سلطنتوں کے بارے میں برسوں پہلے وثوق کے ساتھ ایک قطعی فیصلہ کر دینا کسی بشر کا کام نہیں) اسی طرح ایک دوسری آیت میں صراحت کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔

وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصّلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم وَ لیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدّ لنّھم من بعد خوفھم امنا	"یعنی تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کرتے ہیں ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ ایک نہ ایک دن اُن کو ملک کی خلافت یعنی سلطنت ضرور عنایت کرے گا جیسے اُن لوگوں کو خلافت عنایت کی تھی جو اُن سے پہلے ہو گذرے ہیں اور جس دین کو اُس نے اُن کے لئے پسند کیا ہے اس کو ان کے لئے جما کر رہے گا اور خوف جو اُن کو لاحق ہے اس کے بعد عنقریب ان کو اس کے بدلہ میں امن دے گا۔"

قرآن مجید میں اور بہت سی اسی قسم کی آیات موجود ہیں جو غور کرنے سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ یہ بھی اخبار عن الغیب کی قسم سے ہے جس کا قرآن مجید میں دعویٰ کیا گیا ہے "قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یاتو بمثل ھذا القراٰن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا۔ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النّار التی وقودھا الناس والحجارۃ" عرب کے مختلف اطراف سے مکہ میں آنے جانے والوں کی زبانی عرب کے تمام ممالک اور اُس کے بے شمار باشندوں میں آپ کی دعوت مشتہر ہوگئی تھی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ عرب کے اطراف میں سیر سیاحت کا اتفاق ہوا تھا اور نہ آپ کو وہاں کے عام شاعروں اور خطیبوں کی قابلیت کے جانچنے کا موقع ملا تھا علاوہ ازیں ایک کثیر التعداد قوم کی جو ایک وسیع ملک میں رہتی ہو ذہنی اور دماغی قابلیتوں کا ایسی صحت کے ساتھ اندازہ کر لینے سے انسانی علم قاصر ہے۔ ایسی حالت میں قطعی فیصلہ کر دینا اور قطعی حکم لگا دینا کہ وہ ہرگز قرآن کی مثل کوئی سورہ نہیں

بنا سکتے انسان کا کام نہیں ہے، اور ناممکن ہے کہ ایسا دعویٰ کسی ذی عقل سے سرزد ہو بلکہ جس کسی کو ذرہ بھی عقل ہوتی ہے اُس کو یہی خیال ہوتا ہے کہ دنیا خالی نہیں اور ایک سے ایک لائق اور باکمال موجود ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دعویٰ کسی انسان کا دعویٰ نہیں بلکہ یہ خدا کا دعویٰ ہے جس کو علم ہے کہ تمام انسانی قوتیں اس کے مقابلہ میں بالکل عاجز اور بے کار ہیں۔

ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ جواب سے عاجز ہو جانا صرف اُس شخص پر حجت ہے جو عاجز ہو جائے۔ کیوں کہ بعض اوقات خصم اپنے مسلمات کی وجہ سے عاجز ہو جاتا ہے اور جواب نہیں دے سکتا۔ ممکن ہے کہ دوسرا شخص ان کو تسلیم کرتا ہو۔ اس لئے یہ دلیل اس کو ساکت نہیں کر سکتی۔

یہ شبہ ہمارے گزشتہ بیان پر غور کرنے سے رفع ہو جاتا ہے کیوں کہ قرآن مجید کے اعجاز اور دلیل کے ساکت کرنے میں صرف یہی مشابہت ہے کہ دونوں کا نتیجہ عجز ہوتا ہے مگر ان دونوں قسم کے عجز میں بہت بڑا فرق ہے۔ اس لئے کہ اعجاز القرآن کی بنیاد ایک واقعی امر پر ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام انسانی قوتیں اُس کے مرتبہ بلاغت سے عاجز ہیں۔ تمام انسانی قوتوں کو ہم نے اس وجہ سے قاصر لکھا ہے کہ قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا اور ایسے زمانہ میں نازل ہوا جو فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے عرب کی تاریخ میں نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا زمانہ تسلیم کیا جاتا ہے، اور عرب کے لوگ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دعوت سے بے انتہا دشمنی اور عناد رکھتے تھے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، مگر تاہم وہ قرآن مجید کا معارضہ نہ کر سکے۔ ایسی حالت میں خیال نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی ایرانی یا ہندوستانی عربی زبان کو ایسی اعلیٰ درجہ کی فصاحت و بلاغت کے ساتھ لکھ سکے یا بول سکے، اور ایسا کلام تالیف کر سکے جس سے خود عرب کے تمام فصیح و بلیغ قاصر رہے۔ حالاں کہ اُن کو نشو و نما اور ابتدائی تربیت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشابہت اور مناسبت تھی، بلکہ ان میں سے اکثر اشخاص درس و تعلیم کی وجہ سے امتیاز اور خصوصیت رکھتے تھے۔ یہ اس بات کا قطعی فیصلہ اور یقینی دلیل ہے کہ ایسے کلام کا کسی بشر سے صادر ہونا عادتاً ناممکن ہے۔

پس اس عظیم الشان معجزے اور اس کتاب مقدس سے جس میں کبھی تغیر تبدل نہیں ہو سکتا آں حضرت صلعم کی نبوت اور رسالت ثابت ہو گئی لہذا آپ کی رسالت کی تصدیق کرنا اور جو کچھ قرآن مجید میں وارد ہوا ہے اُس کا اعتقاد رکھنا اور آپ کی روایتوں اور سنتوں پر عمل کرنا ہم پر واجب ہے۔ قرآن مجید میں آیا ہے کہ آپ خاتم الانبیا ہیں، لہذا اس پر بھی ایمان لانا ہمارا فرض ہے۔

امکانِ وحی

لفظ وحی سے جو معنی مراد لئے جاتے ہیں اور جس مفہوم پر اُس کا اطلاق ہوتا ہی اول ہم اُس کی تشریح کرتے ہیں اِس کے بعد ہم اِس امر کی نسبت گفتگو کریں گے کہ آیا وحی ممکن ہی یا نہیں - لفظ وحی کے معنی مخفی طور پر کلام کرنے کے ہیں جس کا اور اشخاص سے پوشیدہ رکھنا منظور ہو اور حاصل مصدر کے طور پر اس لفظ کا اطلاق اُس خط و کتابت پر بھی ہوتا ہی جو کسی دوسرے شخص کے آگاہ اور واقف کرنے کے لئے بھیجی جاوے۔ مگر اکثر اُس کا اطلاق اُس پیغام پر ہوتا ہی جو خدا کی طرف سے کسی پیغمبر پر نازل ہو۔ اور شرعی اصطلاح میں وحی خدا کا وہ کلام ہی جو خدا کی طرف سے اُس کے کسی نبی پر نازل ہو۔ مگر ہمارے نزدیک وحی کی تعریف یہ ہی کہ وہ ایک ایسا انکشاف ہی جس کو انسان اپنے نفس میں پاتا ہی اور یقین کرتا ہی کہ وہ (بالواسطہ یا بلا واسطہ) خدا کی طرف سے ہی۔ پہلی صورت کا انکشاف (یعنی بالواسطہ) یا تو آواز کی شکل میں متمثل ہو کر اُس کے کانوں کو محسوس ہوتا ہی یا بغیر آواز کے کسی اور ذریعہ سے حاصل ہوتا ہی۔ وحی اور الہام میں یہ فرق ہی کہ الہام ایک وجدان ہی جس کا نفس کو یقین ہوتا ہی، اور اُس کو امر مطلوب کی طرف میلان ہوتا ہی مگر نفس کو یہ شعور نہیں ہوتا ہی کہ یہ وجدان کہاں سے حاصل ہوتا ہی۔ غرض کہ یہ وجدان بھوک، پیاس، غم اور خوشی کے وجدان سے زیادہ تر مشابہ ہوتا ہی۔ رہی یہ بات کہ اس قسم کا انکشاف جس کو ہم نے وحی سے تعبیر کیا ہی حاصل ہونا ممکن ہی، اور نوع انسان کی وہ مصلحتیں اور ضرورتیں جو عام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں خدا کے کسی خاص بندہ پر منکشف ہو سکتی ہیں، اس کا سمجھنا اور یقین کرنا صرف ایسے شخص پر دشوار ہو سکتا ہی جو سمجھنے کا ارادہ نہیں کرتا اور اپنے آپ کو صرف اس لئے سمجھدار خیال کرتا ہی کہ وہ ایسی باتوں کو نہیں سمجھتا۔ ہاں ہر زمانہ میں اور ہر ایک قوم میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو اپنی کم عقلی اور کم علمی کے باعث یقین کی حدود سے بہت دور جا پڑتے ہیں اور جو چیزیں اُن کے ظاہری حواس کے ادراک سے باہر ہوتی ہیں اُن کے وجود میں شک کرنے لگتے ہیں، بلکہ بعض اوقات محسوسات کے وجود میں بھی اُن کو شبہ پڑ جاتا ہی اور وہ اپنی اس لغزش سے بلحاظ ادراک ادنیٰ حیوانات کے مرتبہ سے بھی نیچے گر جاتے ہیں۔ ایسے لوگ عقل اور اُس کی مخفی قوتوں کو بالکل غارت اور بے کار کر دیتے ہیں، اور اوامر اور نواہی کی قیود سے آزاد اور مطلق العنان ہو کر ایک قسم کی لذت حاصل کرتے ہیں، اور شرم و حیا کو جو نیک کاموں کی تحریک کرنے والی اور نالائق باتوں سے روکنے والی

ہو-خیر باد کہدیتے ہیں اور بالکل حیوان بن جاتے ہیں، اور جب نبوت اور مذاہب کی نسبت ان کے روبرو گفتگو کی جاتی ہو اور ان کی عقل اور روحانی قوتیں اس کے سُننے کی طرف مایل ہوتی ہیں تو وہ اُن کو دباتے ہیں اور اس خوف سے کانوں میں اُنگلیاں کرلیتے ہیں کہ شاید مذہب کی تایید کرنے والی کوئی دلیل اُن کے ذہن میں راسخ ہوجائے اور اُن کو کسی شریعت کی پیروی کرنی پڑے، جس سے وہ اپنی مطلق العنانی اور بے قیدی کی لذت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوجائیں - یہ ایک ایسا مرض ہو جو بعض انسانی نفوس کو لاحق ہوجاتا ہو، اور صرف علم کے ذریعہ سے اس مرض سے شفا حاصل ہوسکتی ہو-

میں کہتا ہوں کہ وحی میں کون سی بات ناممکن ہو؟ ہوسکتا ہو کہ ایک شخص کو بغیر کسی قسم کی غور و فکر کرنے اور مقدمات کے ترتیب دینے کے ایک بات منکشف ہوجائے جو دوسرے کو نہ ہو، اور اُس کو اس بات کا بھی علم ہو کہ یہ انکشاف خدا کی طرف سے ہو جو نظری اور فکری قوتوں کا عطا کرنے والا ہو-

یہ ایک بدیہی بات ہو کہ انسانی عقول کے درجات متفاوت اور مختلف ہیں اور ایک دوسرے سے بالاتر ہیں- ان میں سے ادنیٰ درجہ کی عقول کو وہ ادراک صرف اجمالی طور پر ہوسکتا ہو جو اعلیٰ درجہ کی عقول کو بسط اور تفصیل کے ساتھ ہوتا ہو- اور یہ بھی ظاہر ہو کہ انسانی عقول کا یہ تفاوت مدارج تعلیم کے تفاوت سے پیدا نہیں ہوا بلکہ وہ فطری ہو، جس میں انسان کی کوشش اور اُس کے کسب کو کچھ دخل نہیں- اور اس میں بھی کچھ شبہ نہیں کہ بعض مسائل جو بعض عقلا کے نزدیک نظری ہیں ان سے اعلیٰ درجہ کی عقول کے نزدیک بدیہی ہیں اور یہ مراتب درجہ بدرجہ ترقی کرتے جاتے ہیں جن کی کوئی تعداد مقرر نہیں ہوسکتی- اور یہ بھی مسلم ہو کہ بعض اشخاص جن کی فطری طور پر ہمتیں بلند اور نفوس عالی ہوتے ہیں اُن کو بعید الحصول باتیں قریب الحصول نظر آتی ہیں اور کوشش کرکے اُن کو حاصل کرلیتے ہیں- عوام الناس ابتداءً اُن کا انکار کرتے ہیں، مگر آخر میں تعجب کرنے لگتے ہیں اور اُن کے ساتھ مانوس ہوجاتے ہیں اور اُن کو ایسی عمدہ اور بدیہی باتیں سمجھنے لگتے ہیں جن کا انکار نہیں ہوسکتا، اور جب کوئی انکا انکار کرتا ہو تو اُس سے اسی طرح لڑتے جھگڑتے ہیں جس طرح ابتدا میں اُن کی طرف سے دعوت کرنے والے سے جھگڑتے تھے! اس قسم کے لوگ باوجود قلت کے آج تک ہر ایک قوم میں موجود ہیں-

پس اگر یہ مقدمات جو ہم نے اوپر بیان کئے ہیں تسلیم کرلئے جائیں (اور سوائے تسلیم کے کوئی چارہ نہیں) تو اُس نتیجہ کو تسلیم نہ کرنا جو ان مقدمات سے پیدا ہوتا ہو نہایت سفاہت اور کم عقلی کی بات ہو، اور وہ نتیجہ یہ ہو کہ بعض انسانی نفوس ایسے ہوسکتے ہیں جو محض فطری طور پر لطیف اور پاکیزہ ہوں اور محض فیضان

الٰہی سے اس امر کی استعداد اور قابلیت رکھتے ہوں کہ وہ انسانیت کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ جائیں، اور ایسے رموز اور اسرار کو جن کو عام لوگ دلائل اور براہین کے ذریعہ سے بھی نہیں سمجھ سکتے عیانی طور پر مشاہدہ کرلیں۔ اور جس طرح ہم اپنے اُستادوں سے علم حاصل کرتے ہیں اُس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ وہ خدا سے علم و حکمت سیکھتے ہوں اور سیکھنے کے بعد لوگوں کو اُس کی طرف دعوت کرتے ہوں۔ ہر ایک قوم اور ہر ایک زمانہ کی ضرورتوں کے موافق عادت اللہ اسی طرح جاری رہی ہے کہ وہ اپنی رحمت سے ایسے شخص کو ظاہر کرتا ہے جو اُس کی عنایت اور مہربانی کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے اور اجتماع انسانی کی ضرورتوں اور مصلحتوں کو پورا کرتا ہے اور جب نوع انسان قوت اور استحکام کے درجہ کو پہونچ جاتی ہے اور جو چراغ اُس کی ہدایت کے لئے رکھے گئے ہیں وہ کافی ہوتے ہیں تو رسالت ختم ہوجاتی ہے اور نبوت کا دروازہ بند ہوجاتا ہے جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

بعض آسمانی روحوں کا موجود ہونا اور ان کا اس مرتبہ کے لوگوں پر ظاہر ہونا بھی ایسی بات نہیں جس میں کسی قسم کا استحالہ ہو۔ کیوں کہ ہم بطور خود اپنے دلوں میں سمجھتے ہیں اور یقین کرتے ہیں اور قدیم و جدید علوم نے بھی ہم کو بتلا دیا ہے کہ بعض موجودات ایسے بھی ہیں جو زیادہ لطیف ہیں اگرچہ وہ ہماری نظر سے غائب ہیں اور ہم اُن کو دیکھ نہیں سکتے۔ پس ممکن ہے کہ بعض اس قسم کے لطیف وجود علم الٰہی کو روشن کرنے والے ہوں اور انبیا علیہم السلام کے نفوس ان کو دیکھ سکتے ہوں۔ اگر اس امر کی ہم کو کوئی سچی خبر مل جائے تو اُس کی صحت کے یقین کرنے میں کون چیز مانع ہوسکتی ہے؟

جن لوگوں کو خدا نے اس مرتبہ کے ساتھ مخصوص کیا ہے اُن کے ظاہری حواس میں ان روحوں کی آوازوں اور شکلوں کا متمثل ہونا کچھ بعید اور غیر معمولی بات نہیں۔ اس لئے کہ نبوت کے منکر بھی اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ بعض خاص امراض کے مریضوں پر ایسی کیفیت طاری ہوجاتی ہے کہ اُن کے بعض معقولات اُن کے خیال میں متمثل ہوکر محسوسات کے درجہ کو پہونچ جاتے ہیں، اور مریض اُن کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور کانوں سے سنتا ہے، بلکہ اُن کے ساتھ کشتی لڑتا اور مقابلہ کرتا ہے۔ حالانکہ واقعی طور پر ان تمام باتوں کی اصلیت اور حقیقت کچھ بھی نہیں ہوتی۔ پس اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ بعض دماغی امراض کے عارض ہونے کے وقت بعض معقولات متمثل ہوکر محسوسات کے درجہ پر پہنچ جاتے ہیں، تو کیا وجہ ہے کہ اس امر کو تسلیم نہ کیا جاوے کہ بعض حقائق معقولہ نفوس عالی میں متمثل ہوسکتے ہیں اور یہ اُس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ عالم حس سے گزر کر عالم قدس کے ساتھ متصل ہوجاتے ہیں، اور یہ حالت اس درجہ کے لوگوں میں عقل کی صحت اور اُس کی روشنی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ کیونکہ

اِن کے مزاج میں ایسی خصوصیتیں ہوتی ہیں جو دوسرے مزاجوں میں نہیں ہوتیں۔ اِس کے تسلیم کر لینے سے زیادہ سے زیادہ جو بات لازم آتی ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح کو اُن کے اجسام کے ساتھ ایک خاص قسم کا تعلق ہے، جس کی نظیر عام لوگوں میں موجود نہیں۔ یہ بات بھی ایسی ہے جس کا قبول کر لینا بہت آسان بلکہ نہایت ضروری ہے۔ کیوں کہ انبیاء علیہم السلام کی حالت بھی عام لوگوں کے حالات سے بالکل علٰحدہ اور غیر معمولی ہوتی ہے، اور یہی مغائرت ہے جس سے اُن کو امتیاز اور خصوصیت حاصل ہوتی ہے، اور یہی ان کی رسالت کی دلیل ہوتی ہے۔ جو کچھ وہ مشاہدہ کرتے ہیں اور بیان کرتے ہیں اُس کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ ان کی دوا سے قلبی امراض کو شفا ہوتی ہے اور جو قومیں ان کے مسلک کی پیروی اور ان کے احکام کی تعمیل کرتی ہیں اُن کی ہمتیں بلند اور عقلیں روشن ہو جاتی ہیں۔ بیماروں سے صحیح باتوں کا صادر ہونا اور مجنونوں اور پاگلوں سے نظامِ عالم کا درست ہونا ایسی بات ہے جس کو کوئی شخص بھی تسلیم نہیں کر سکتا۔

اعتراض اور اُس کا جواب

مذہبِ اسلام مختلف قوموں اور مختلف فرقوں کو اتحاد و اتفاق کی طرف دعوت کرتا ہی، اور اختلاف اور تفرقہ کو مٹاتا ہی۔ اس کی الہامی کتاب میں لکھا ہی "جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور کئی فرقے بن گئے تم کو اُن کے جھگڑوں سے کچھ سروکار نہیں"۔ پس کیا وجہ ہی کہ مختلف مذہبوں اور مشربوں کے لحاظ سے اُس بے شمار فرقے بن گئے۔ جب کہ اسلام بندہ کے موئنہ کو زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے خدائے وحدہٗ لاشریک کی طرف پھیرتا ہی، تو کیا وجہ ہی اس بات کی کہ عام مسلمان اپنی گردنوں کو ایسی چیزوں کے آگے جھکاتے ہیں جو اپنی ذات کے لئے بھی بُرائی بھلائی نفع نقصان کے مالک نہیں اور اُس کو توحید کا ایک رکن خیال کرتے ہیں۔ اور جب کہ اسلام وہ پہلا دین ہی جس نے عقل کو خطاب کیا اور کائنات میں غور کرنے کی طرف اُس کو راغب کیا اور اس خاص امر میں جہاں تک اُس کی طاقت ہی اُس کو بالکل آزاد اور مطلق العنان کر دیا؛ اور ایمان کی حفاظت کے سوا اس بارہ میں اور کوئی شرط نہیں لگائی۔ پس اس بات کی کیا وجہ ہی کہ اکثر مسلمان علم سے ناراض ہیں، اور خیال کرتے ہیں کہ خدا جہالت کو پسند کرتا ہی، اور خدا کی مخلوقات اور صنعت کی باریکیوں میں بالکل غور نہیں کرتے۔ اس سے پیشتر مسلمان لوگ لفت اور محبت کے امام و پیشوا تھے، مگر آج اس لفظ کا مصداق اُن کے خواب و خیال میں بھی نہیں۔ وہ سعی اور محنت کے پیشوا تھے، مگر آج سستی اور کاہلی میں ضرب المثل ہیں۔ یہ کس قسم کے عقائد ہیں جن کو مسلمانوں نے اپنے مذہب میں شامل کر دیا ہی!! حال آں کہ الہامی کتاب اُن کے ہاتھ میں ہی جو مذہب کے اصلی اصول اور تراشی ہوئی بدعتوں کو بالکل الگ کر دیتی ہی۔ جب کہ اسلام قرآن کے معنی اور مطالب کے غور کرنے کی ہدایت کرتا ہی، پس کیا وجہ ہی اس بات کی، کہ اکثر قرآن کے پڑھنے والے مسلمان اُس کو راگ اور راگنیوں کی طرح گاتے ہیں اور لفظوں کے سوا خاک نہیں سمجھتے حتیٰ کہ اکثر مذہب کے عالم بھی کماحقہ اور یقینی طور پر نہیں سمجھتے۔ جب کہ اسلام عقل اور ارادہ کو استقلال اور

آزادی عطا کرتا ہی، پس کیا وجہ ہی کہ مسلمان اُس کو طوق و زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں؟ جب کہ اسلام نے عدل و انصاف کی بنیاد ڈالی ہی، تو کیا سبب ہی کہ اکثر مسلمان حاکم ظلم و ستم میں ضرب المثل ہیں؟ جب کہ اسلام غلاموں کے آزاد کرنے کی ہدایت کرتا ہی، تو کیا سبب ہی کہ اسلامی حاکموں اور بادشاہوں نے آزاد لوگوں کے غلام بنانے کا سلسلہ صدیوں تک برابر جاری رکھا؟ جب کہ راست بازی، وفاداری اور وعدہ کا پورا کرنا اسلام کے ارکان میں سے گنے جاتے ہیں، تو کیا وجہ ہی کہ مسلمانوں میں دغا بازی، جھوٹ، مکاری و بہتان کی کثرت ہی؟ جب کہ اسلام فریب بازی اور دھوکا دینے کو حرام بتاتا اور اُس کے ارتکاب کرنے والوں کو اپنے زمرہ میں سے خارج کر دینے کی وعید سُناتا ہی، پس کیا وجہ ہی کہ مسلمان لوگ معمولی دھوکے بازیوں اور حیلہ بازیوں سے خدا اور رسول اور شریعت کے ساتھ دھوکا کرتے ہیں؟ جب کہ اسلام نے ظاہری اور باطنی بدکاریوں کو حرام کیا ہی، تو کیا وجہ ہی کہ مسلمان ہر قسم کی بدکاریوں میں منہمک اور مستغرق ہیں؟ جب کہ اسلام نے صاف طور سے بتا دیا ہی کہ مذہب خدا اور رسول کی اطاعت اور فرمان برداری اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی کا نام ہی، اور اُن کو جتا دیا ہی کہ اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو اُن پر اشرار کو مسلط کیا جاوے گا، پس کیا وجہ ہے کہ وہ نہ آپس میں ایک دوسرے کی خیر خواہی کرتے اور نہ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں؟ بلکہ وہ سب متفرق اور منتشر ہیں اور ہر شخص اپنی حالت میں گرفتار ہی، دوسروں کی اُس کو کچھ خبر نہیں؟ کیا سبب ہی کہ بیٹے بے دردی کے ساتھ اپنے باپوں کو قتل کرتے ہیں اور لڑکیاں اپنی ماؤں کی نافرمانی کرتی ہیں، نہ چھوٹے بڑوں کا ادب کرتے ہیں اور نہ بڑے چھوٹوں پر رحم اور شفقت کرتے ہیں۔ دولت مندوں کے مال میں فقیروں اور مسکینوں کا جو حق ہی اور جس کو خدا نے اُن پر فرض کیا ہی اس کے ادا کرنے میں پہلو تہی کرتے ہیں، بلکہ جو کچھ قوت لایموت غریبوں کے پاس ہوتا ہی اُس کو بھی چھیننے لگتے ہیں؟

ہمارا خیال ہی کہ اسلام کی پوری روشنی اور اُس کا منور آفتاب مشرق میں ہی مگر اُس کی ایک کرن مغرب (یورپ) میں پہنچی اور اُس کو روشن کر دیا۔ حالانکہ تمام اہل مشرق جہالت کی تاریکیوں میں سرگردان پھر رہے ہیں۔ ایسی حالت میں کس طرح عقل اس قول کو صحیح تسلیم کر سکتی ہی یا کوئی نقلی دلیل اس کی تائید کر سکتی ہی؟ غالباً تم کو معلوم ہوگا کہ جن لوگوں نے علم کا کچھ بھی ذائقہ چکھا ہی، سب سے پہلے اُن کے خیالات اس طرف مائل ہوئے ہیں کہ اس مذہب (اسلام) کے اصول اور عقاید بالکل خرافات ہیں۔ اور اس کے مسائل اور احکام بالکل بیہودہ اور لغو ہیں۔ بلکہ نہایت جوش اور مزہ کے ساتھ اس مذہب کے اصول و عقاید پر طعن و استہزا کرتے ہیں، اور اُن

لوگوں کے ساتھ مشابہت پیدا کرتے ہیں جو مذہب کے دایرے سے نکل کر بالکل آزاد ہو گئے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہی
کہ جو لوگ اسلام کی صرف مذہبی کتابوں کی ورق گردانی میں مشغول ہیں اور اپنے آپ کو اس مذہب کا بڑا عالم سمجھتے ہیں
وہ عقلی علوم اور نظری مسائل کو حقارت کی نظر سے دیکھتے اور اُن پر عمل کرنا دینی و دینوی لحاظ سے بالکل عبث خیال
کرتے ہیں بلکہ اکثر لوگ اپنے ان علوم سے جاہل رہنے پر فخر ظاہر کرتے ہیں۔ مگر مسلمانوں میں سے جو شخص علم کے
دروازہ پر پہونچ گیا ہی، اس کو اپنا مذہب بوسیدہ کپڑے کی مانند معلوم ہوتا ہی جس کو وہ لوگوں کے سامنے ظاہر کرتا ہوا
شرماتا ہی۔ مگر جس کے دل میں مذہب کی کچھ وقعت ہی، اور اس کے اصول و عقاید کو تسلیم کرتا اور اُن کی پیروی کرتا
ہی، وہ عقل کو جنون اور علم کو محض خیال سمجھتا ہی کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہی کہ مذہب علم اور عقل کے ساتھ متفق نہیں ہو سکتا

اس اعتراض کے جواب میں علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ آج کل کیا بلکہ چند صدیوں سے مسلمانوں کی جیسی کچھ نازک
حالت ہو رہی ہی اُس کے بیان کرنے میں معترض نے کسی قسم کا مبالغہ نہیں کیا۔ امام غزالی اور ابن الحاج وغیرہ نے جو
مذہبی امور میں بصیرت رکھتے تھے، اپنے زمانہ کے عام و خاص مسلمانوں کی کیفیت بیان کی ہی جس سے بے شمار
ضخیم کتابیں بھری پڑی ہیں۔ لیکن میں نے جو کچھ مذہب اسلام کی نسبت بیان کیا ہی صرف قرآن مجید کے پڑھنے
اور اُس کے معانی و مطالب سمجھنے سے اُس کو ضرور تسلیم کرنا پڑتا ہی۔ اور جس قدر میں نے اُس کے عمدہ نتایج ذکر
کئے ہیں، محققین اسلام اور دوسری قوموں کے با انصاف مورخوں کی کتابیں دیکھنے سے اُن کا اعتراف کرنا پڑتا
ہی۔ اور فی الحقیقت یہی اسلام ہی، اور اس کی نسبت ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ وہ بالکل عقل اور سراسر ہدایت ہی۔ جو شخص
عمدگی کے ساتھ اُس کا استعمال کرے گا، اور اُس کے احکام کی تعمیل اور اُس کی ہدایتوں پر عمل کرے گا، وہ بالضرور
دینی اور دنیوی سعادت حاصل کرے گا، جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہی۔ امراضِ تمدن کے معالجہ میں ایک
عرصہ تک اس دوا کا تجربہ ہو چکا ہی اور اُس کی کامیابی اس قدر وضاحت کے ساتھ ظاہر ہو چکی ہی جس کا کوئی اندھا
اور بہرا بھی انکار نہیں کر سکتا۔ زیادہ سے زیادہ اس اعتراض کے جواب میں جو کہا جا سکتا ہی وہ یہ ہی کہ ایک طبیب نے
کسی مریض کو ایک دوا دی جس سے وہ بالکل تندرست ہو گیا، مگر طبیب اُسی مرض میں مبتلا ہو گیا، وہ بیماری
کی تکلیف اُٹھا رہا ہی اور باوجودیکہ وہی دوا اُس کے پاس موجود ہی مگر اُس کو استعمال نہیں کرتا۔ جو لوگ اُس کی
عیادت کرتے ہیں یا اس کی مصیبت پر خوش ہوتے ہیں، وہ اُس دوا کو استعمال کرتے ہیں اور صحت پاتے ہیں
مگر وہ اپنی زندگی سے مایوس ہو کر موت کا انتظار کر رہا ہی۔

تصنیف علامہ مصری محمد فرید وجدی - نواب محسن الملک مرحوم کے

المدنیۃ والاسلام حکم سے یہ بے نظیر کتاب نہایت سلیس اور فصیح اُردو میں ترجمہ کی گئی ہے۔ مغربی تعلیم اور مغربی علوم وفنون کی بدولت جو ملحدانہ خیالات مسلمانوں میں پھیلتے جاتے ہیں ان کی بیخ کنی کے لئے آج تک اس پایہ کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ اس کتاب کو غور سے پڑھ لینے کے بعد ہر شخص کو یقین ہو سکتا ہے کہ دنیا جس قدر علوم طبعی میں ترقی کر رہی ہے اسی قدر وہ اسلام سے قریب تر ہوتی جاتی ہے۔ .. .. قیمت ۱۲؎

(مولفہ مولوی محمد عبد الغفور صاحب فاروقی

مصباح الکلام فی طریق الاسلام رئیس محمد آباد ضلع اعظم گڈھ) اس کتاب میں منافع عناصر اربع، شان رزاقی، شان وحدت، خلقت انسانی، قوت عقلی اسلامی عقائد، بعث انبیا کے وجوہ، فرقہ ہنود کا تذکرہ، بت پرستی، الاسلام، اسلامی تعلیم کی خوبیاں، ازدواج وتعدد ازدواج کے متعلق عقلی فیصلہ، طلاق کی حقیقت، تذکرہ ازدواج نبوی صلعم، محاسن اخلاق کی تعلیم، راستبازی رحم دلی، پیغمبر اسلام صلعم اور حکومت، الجزیہ، اسلام پر زوال، مباحث متعلقہ بہ مسئلہ تقدیر، مجموعہ احادیث، قرآن، معنی قرآن، اور تذکرہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ نہایت شرح وبسط کے ساتھ آیات قرآنی واحادیث نبوی سے ثابت وبیان کئے گئے ہیں۔ کاغذ ولایتی قسم اول ٹائٹل رنگین نہایت خوبصورت فی جلد .. .. .. عہ

ملنے کا پتہ

ایم اے او کالج بک ڈپو

علی گڑھ

بفضل خدا

انسٹی ٹیوٹ پریس میں (جو سر سید علیہ الرحمۃ کا قائم کیا ہوا اور محمڈن کالج کی مِلک ہونے کی وجہ سے حقیقی معنوں میں ایک قومی پریس ہی) لوہے اور پتھر دونوں قسم کے چھاپوں میں اُردو انگریزی ہر قسم کا کام بہت صحت اور کفایت کے ساتھ ہوتا اور وقت پر دیا جاتا ہی۔ اہلِ ذوق وضرورت کم از کم ایک بار ضرور امتحان فرمائیں۔

نرخ زبانی یا خط وکتابت سے طے ہو سکتا ہی۔

مطبع کو اُس کے قدیم واہلِ نظر سرپرستوں کی جانب سے جو اطمینان بخش اسناد حاصل ہوئی ہیں اُن کی نقل عند الطلب روانہ کی جاسکتی ہی۔

علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ نامی ایک اخبار بھی اس پریس سے نکلتا ہی جو کالج کا سرکاری اخبار ہی اور جو سر سید علیہ الرحمۃ نے کالج کی بنا سے بھی قبل جاری کرنا شروع کیا تھا اور جس میں کالج کی خبروں کے علاوہ عام اور مفید ودلچسپ مضامین شائع ہوتے ہیں۔ **قیمت** سالانہ للعہ ششماہی ؏

ہر قسم کی خط وکتابت کے لئے پتہ:-

مینیجر صاحب انسٹیٹیوٹ پریس علی گڑھ